www.urducouncil.nic.in

اپریل 2023، قیمت :- ₹10

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔
یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟

7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟

17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!

22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

بچوں کی دنیا

جلد: 11 شمارہ: 04 اپریل 2023

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

معاون مدیر: ڈاکٹر مسرت

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی- 110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
زلزلہ	سید شمیم احمد مدنی	07
صفائی	محمد طلحہ انصاری	10
	پیام عید	
عید کا چاند	وسیم احمد نگرامی	12
چاند کا چکر	حسین قریشی	13
عید کی سچی خوشی	رومانہ عفت راہی	16
عید یہ خوشیاں لائی ہے	سارہ فیصل بنت امیر فیصل	19
	انٹرویو	
بچوں کی زبان میں بچوں سے بات کی جانی چاہیے	شجاع الدین شاہد	20
	نظمیں	
رب کا شکر ادا کرتا ہوں	عبدالرحیم نشتر	24
چلتا پھرتا پھول ہے تتلی	راشد جمال فاروقی	25
ایک عرض	ابواللیث جاوید	26
ہمارے گروجی	فراق جلال پوری	27
بچے مستقبل ہیں	فیض رتلامی	27
کتابوں کی دنیا	محمد مستمر	28
	کہانیاں	
نورانی ہارڈ ویئرس	سلیم خان	29
اور بلا گھوم گیا	محمد قمر سلیم	31
شیخ چلی درزی اور پریاں	پرویز شہریار	34
الزام	نیلوفر سعدیہ	36
	باردگر	
ہار جیت	مختار ٹونکی	39
سادگی کی کرامت	کلیم ضیا	41
	ڈراما	
فریب کا شکار	محمد یحییٰ جمیل	46
	بچوں کا کتب خانہ	
گمشدہ پانی کی تلاش میں/ شالینی شری نواسن	احتشام الحق	50
	سائنس نامہ	
نیوکلیئر فیوژن کی کہانی اس کی زبانی	انیس الحسن صدیقی	52
	صحت	
گالجی مرکب: بے شمار سرگرمیوں کا مرکز	رفیع الدین ناصر	55
	کہکشاں	
چمن چمن کے پھول		58
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		59

پیارے بچو! آپ ملک وقوم کا مستقبل ہیں، ملک کی ترقی کا دارومدار آپ پر ہے، اس لیے آپ خوب محنت اور لگن سے پڑھائی کریں، نصابی کتب کے علاوہ دیگر ان چیزوں کی طرف بھی توجہ دیں جن سے آپ کی صلاحیت اور قابلیت میں اضافہ ہو، اخلاقی اور اصلاحی کتابوں کا مطالعہ آپ کے لیے بے حد مفید ہوگا، اسی طرح تقریری وتحریری صلاحیتیں بھی مستقبل میں آپ کے لیے کامیابی کے دروازے کھولیں گی، فن خطابت میں مہارت آپ کی خوداعتمادی میں اضافہ کرے گی، اسی طرح تحریری صلاحیت بھی آپ کے مافی الضمیر کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوگی۔ یہ عمر پڑھنے اور نئی نئی چیزوں کے سیکھنے کی ہے، یہ کمپٹیشن اور مقابلے کا وقت ہے، اس لیے درسی کتب کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں بھی مہارت وقت کا تقاضہ ہے، وقت کی قدر کریں، اس کو غنیمت سمجھیں، موبائل اور دوسری لایعنی چیزوں میں اپنا قیمتی وقت برباد نہ کریں، اور اس کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنے والدین اور ملک وقوم کا نام روشن کریں۔

بچو! آپ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بہت اچھی تقریر کرتے ہیں، ان کی پرجوش تقریر عوام کے دلوں میں جوش پیدا کردیتی ہے، بہت سے ایسے مقرر گزرے ہیں جنھوں نے اپنی خطابت کا لوہا منوایا ہے، آپ بھی اسکول اور دیگر پروگراموں میں حصہ لیں، بے خوف ہوکر اپنی بات رکھیں، شروع میں تھوڑی ہچکچاہٹ ہوگی لیکن پھر دھیرے دھیرے آپ میں خوداعتمادی پیدا ہوتی جائے گی، لوگوں کے سامنے کس طرح اپنی بات رکھنی چاہیے اس کا بھی اندازہ ہوگا، انٹرویو وغیرہ میں بھی اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں گے، تقریر کی طرح تحریر بھی ایک فن ہے، اس پر بھی آپ خصوصی توجہ دیں، چھوٹی چھوٹی تحریریں لکھنا شروع کریں، ایک ڈائری بنالیں اور اس میں روزانہ کے معمولات اپنی زبان میں لکھتے چلے جائیں، اس سے آپ کی تحریری مشق ہوتی رہے گی، اگر آپ کو کہانی وغیرہ سے دلچسپی ہے تو کہانی بھی لکھنے کی کوشش کریں چاہے مختصر ہی کیوں نہ ہو، لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ لکھنے کے لیے پڑھنا بہت ضروری ہے، تو بچو! آپ جس موضوع پر بھی لکھنا چاہتے ہیں اس سے متعلق مضامین ضرور پڑھیں اور اگر کہانی لکھنا چاہتے ہیں تو والدین اور اساتذہ کی مدد سے اچھی اچھی کہانیاں پڑھیں، اس سے آپ کے فکروخیال میں وسعت پیدا ہوگی، اور نئے نئے آئیڈیاز آپ کے ذہن میں آئیں گے۔

بچو! یہ اکیسویں صدی ہے، کمپٹیشن کا زمانہ ہے، اس لیے پڑھائی لکھائی میں بالکل بھی کوتاہی نہ کریں، دل لگا کر پڑھیں، ماں باپ کے اعتماد اور بھروسے پر کھرا اترنے کی مکمل کوشش کریں، روزانہ اسکول جائیں، اساتذہ اور والدین کی نصیحت اور ان کی اچھی باتوں کو بغور سنیں اور ان پر عمل کریں، اچھے دوست بنائیں، بری صحبت سے دور رہیں، اس سے آپ کی شخصیت نکھرے گی اور آپ ملک وقوم کی ترقی میں مثبت کردار ادا کرپائیں گے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

ضلع پریشد اردو مڈل اسکول گونج پنچایت سمیتی مہا گاؤں ایوت محل، مہاراشٹر

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' فروری 2023 کا شمارہ ملا۔ اس سلسلے کی سبھی کہانیاں اور نظمیں بہت ہی اچھی لگیں۔ ان سے ہمیں کوئی نہ کوئی سبق ضرور ملتا ہے۔ مثلاً کہانی 'پچھتاوا' میں

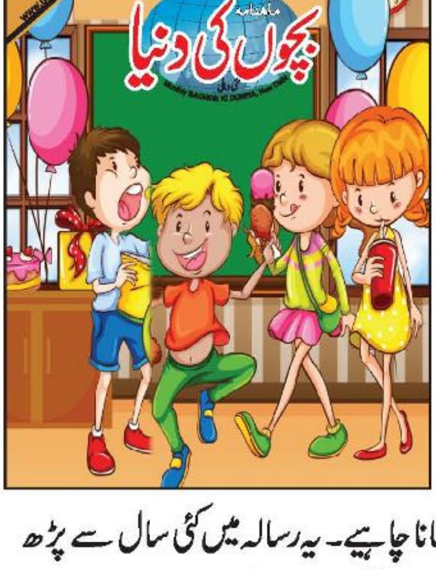

ایک لڑکے کو اس کے والد نے بنا سوچے سمجھے زناٹے دار طمانچہ مار دیا، جب کہ اس نے نیک کام کیا تھا، اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی بھی قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے۔ یہ رسالہ میں کئی سال سے پڑھ رہی ہوں۔ رسالے کا ہم سبھی طالبات کو بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ رسالے کی خاص بات یہ ہوتی ہے کہ اس میں مشکل اردو نہیں ہوتی، ہر کوئی پڑھ کر آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس رسالے میں آپ پینٹنگ چھاپ کر ہم بچوں کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں، فروری کے شمارے میں اسکول کا ترانہ، چلیں مدرسہ، میٹھی بولی، طوطا، عزم، ماں باپ وغیرہ سبھی نظمیں اچھی لگیں۔ مضمون مادری زبان کی اہمیت، انسانیت، بہادر بچے، غرض کہ سبھی مشمولات اچھی لگیں۔ 21 فروری کو 'عالمی یوم مادری زبان' کے موقعے پر جو اشعار اردو پر لکھے گئے ہیں وہ مجھے بہت پسند آئے کیونکہ میری مادری زبان اور پسندیدہ زبان بھی اردو ہے، مجھے جب بھی وقت ملتا ہے اردو کا مطالعہ کرتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ سبھی لوگ اس رسالے میں نظم، مضمون، کہانیاں اور ڈرامے وغیرہ لکھتے رہیں اور یہ رسالہ ہمیشہ قائم رہے۔

صہبا ناز اعجاز احمد، درجہ یازدہم آرٹس، گورنمنٹ اردو گرلس سینئر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

'بچوں کی دنیا' فروری 2023 میں شامل اقبال برکی کی کہانی 'بچپن کی شوخیاں' دلچسپ ہے۔ رسالے میں شامل نظمیں

اردو ہائی اسکول چاندنگر دگرس ضلع ایوت محل، مہاراشٹر

میٹھی بولی، چلیں مدرسے اور ماں باپ بہت اچھی ہیں۔ جہانگیر انس کے 'نیا کھیل' سے یہ نصیحت ملتی ہے کہ لالچ بری بلا ہے اس سے بچنا سبھوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ انور ادیب کے 'سپنوں کا عکس' میں ڈاکٹر کی رحم دلی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح محمد طارق کی کہانی 'پچھتاوا' بھی قابل تعریف ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ وہ سارے کام جن کے کرنے میں کسی بھی قسم کا خوف نہ ہو، انھیں کرنے میں اگر تکلیف بھی پہنچے تو کوئی رنج نہ ہونا چاہیے، ایسے سارے کام نیک کام ہی کہلاتے ہیں۔ غفران حکیم کے 'انسانیت کا درد' میں انسانیت کو بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ کے پی سکینہ کی 'ننھے منے جانورو ں کی لائبریری' بہت پسند آئی۔ یہ دنیا میں اپنی قسم کی نرالی لائبریری ہے۔ یہاں جانور پڑھنے نہیں آتے بلکہ لائبریری میں رکھے جاتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ بات سنی ہے۔ محمد اسداللہ کی نظمیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ ان کا تازہ شعری مجموعہ 'بچوں کی زمین' بہت اچھا ہے۔ اکا بکا تین تڑکا جیسی نظمیں بچوں کو بہت پسند آتی ہیں۔ ان نظموں کے ذریعے بچوں کو ان تمام چیزوں کے کردار اور کیفیات کا علم ہوتا ہے۔ محمد اختر جلال پوری کے مضمون 'کینسر: ایک موذی مرض' میں میں بتایا گیا ہے کہ اب اس کا علاج ممکن ہے۔ اس کی ویکسین تیار کرلی گئی ہے۔ ایسے مریضوں کے لیے یہ خوشی کا مقام ہے۔ نشاط اختر کا مضمون 'صحت کا خزانہ: گاجر' بہت خوب ہے، اس مضمون میں گاجر کے کیا کیا فائدے ہیں، ان کا تفصیل سے ذکر ہے، مثلاً اس میں وٹامن اے کافی مقدار میں ہوتا ہے جو ہماری آنکھوں کی روشنی کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔ اس کا جوس بھی پیٹ کے لیے بہت مفید ہے۔ باقاعدہ پینے سے قبض نہیں ہوتی اور خون و گردے کی صفائی قدرتی طور پر ہوجاتی ہے۔ ان کے علاوہ کالمز چمن چمن کے پھول اور ننھے فنکار بھی بہت خوب ہیں۔

بشن چودھری، ہاؤس نمبر 112، گلی نمبر 4، سیکٹر 25-B، منڈ گوبند گڑھ، پنجاب

زلزلہ
(Earthquake)

سید شمیم احمد مدنی

زلزلوں کے بارے میں آئے دن خبریں آتی ہی رہتی ہیں جن میں سیکڑوں ہزاروں انسانی جانوں کی ہلاکت اور اربوں کھربوں کی مالیت کا نقصان ہوتا رہتا ہے۔ سوال ہے کہ آخر یہ زلزلہ کیا ہے؟ کیوں اور کیسے آتا ہے؟ بچو! اس بارے میں آج تم کو کچھ بتانے کو جی چاہتا ہے۔

زلزلے کا تذکرہ تو ہمارے قرآن پاک میں بھی ہے جس کا ترجمہ ہے ”جب زمین ہلا دی جائے گی اور اپنے اندرون کا سب کچھ اگل دے گی تو انسان چیخ اٹھے گا اور کہے گا کہ یہ سب کیا ہے؟“

زلزلوں کے بارے میں قدیم یونان میں آج سے تقریباً پچیس سو برس پہلے مشہور تھا کہ جہنم کا خدا Vulcan زمین کے اندر رہتا ہے۔ زمین پر جب گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو وہ آگ اگل کر سب کو ہلاک کر دیتا ہے۔ لفظ Vulcan سے ہی Volcano (آتش فشاں) بنا ہے۔ ہندو صنمیات میں ہے کہ زمین گائے کی سینگ پر ٹکی ہوئی ہے۔ جب اس کو وہ ایک سے دوسری سینگ پر بدلتی ہے تو زلزلہ آتا ہے۔ یہ تو ایک تصور ہے۔

آئیے دیکھیں کہ اس سلسلے میں سائنس کیا کہتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ہم سائنس کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہم سب فزکس (Physics)، کیمسٹری (Chemistry)، بایولوجی (Biology) وغیرہ مضامین سمجھ لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو سائیکالوجی (Psychology)، سوشیالوجی (Sociology) تو معاشرتی مضامین ہیں، جن کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کے معنی علم کے ہوتے ہیں اور علم دو طرح کے ہیں۔ ایک قیاسی اور دوسرا مشاہداتی اور تجرباتی۔ چنانچہ مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر حاصل کیا جانے والا علم ہی سائنس کہلاتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

Science : Knowledge (of physical facts) obtained by observation and experiment.(is science). Ref : Advanced Twenty First Century DICTIONARY : Prof. Qureshi

یعنی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر طبیعی اشیا سے واقفیت کو سائنس کہتے ہیں۔ سائنس ہر چیز کا مشاہدہ اور تجربہ کرنا

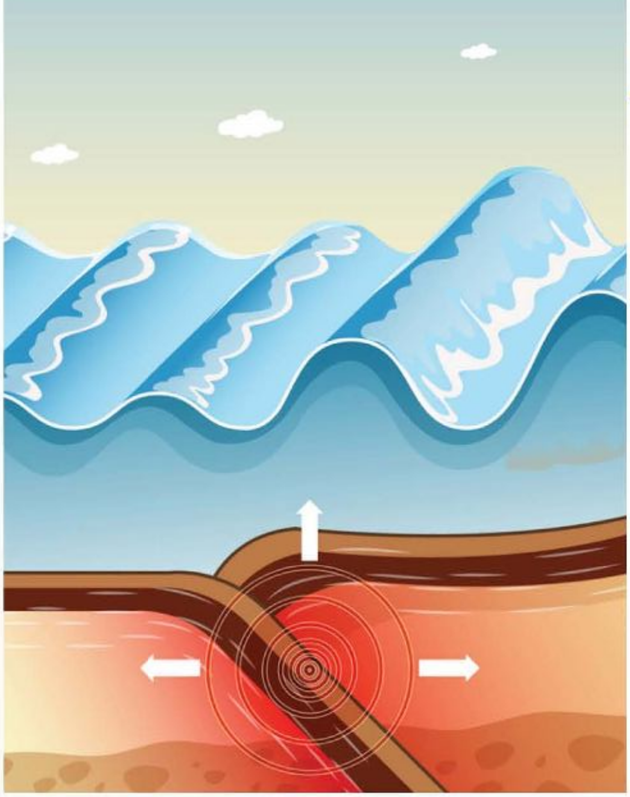

چاہتی ہے۔ اس لیے تجربے اور مشاہدے سے زلزلے کے بارے میں اب تک جو کچھ دریافت کیا جا چکا ہے سطور ذیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ماہرین ارضیات (Geologists) کا کہنا ہے کہ زمین کئی قسم کے مادّوں پر مشتمل متعدد پرتوں سے بنی ہے۔ اوپری پرت تو ٹھوس ہے مگر اندر کہیں ٹھوس، نیم ٹھوس تو کہیں سیال بھی ہے۔ اوپری پرت کو قشر (Crust) کہا جاتا ہے جس کی موٹائی 8 سے 80 کلومیٹر ہے۔ خشکی کے نیچے 80 اور سمندروں کی تہہ کے نیچے محض 8 کلومیٹر۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ اوسطاً 60 کلومیٹر دبیز ہے۔ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

قشر زمین ایک مکمل مبسوط پرت نہیں ہے بلکہ بارہ ٹکڑوں میں منقسم ہے۔ ان ٹکڑوں کو ماہرین طبقات الارض پلیٹ (Plate) یا ٹیکٹونک پلیٹ (Tectonicplate) کہتے ہیں۔ تعداد میں چھوٹی بڑی ملا کر کُل بارہ پلیٹیں ہیں۔ کچھ ماہرین بیس بھی بتاتے ہیں۔ ان ہی ماہرین کے بقول یہ پلیٹیں وقت پر متحرک ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی حرکت (Movement) تین طرح کی ہوا کرتی ہے۔ ایک موافق (Converging) جس میں دونوں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں اور دوسری وہ جس میں دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں حرکت کرتی ہیں۔ ان کی تیسری حرکت متوازی ہے، جس میں وہ ایک دوسرے کے سہارے آگے پیچھے ہوا کرتی ہیں۔ اس کو Transform Movement کہا جاتا ہے۔ پلیٹوں کے ٹکرانے اور حرکت پذیر ہونے سے چٹانیں ٹوٹتی ہیں۔ مڑتی (Folding) ہیں۔ اٹھتی (Uplifting) اور دھنستی (Subside) ہیں۔ اسی کو ٹیکٹونک ایکٹوویٹی (Tectonicactivity) کہتے ہیں۔ ماہرین علم الارض کا خیال ہے کہ زلزلوں کا یہی سب سے بڑا سبب ہے۔

زلزلوں کی شدت کا اندازہ لگانا ذرا مشکل تھا مگر اسٹین فورڈ یونی ورسٹی (یو ایس اے) کے پروفیسر سی۔ ایف۔ رچر (C.F.Ritcher) نے 1945 میں ایک آلہ ایجاد کیا جس سے زلزلے کی شدت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اس آلے کا نام سیسموگراف (Seismograph) ہے جس کو زمین میں کچھ گہرائی میں فکس کرتے ہیں جو زمین کی معمولی سے معمولی حرکت کو بھی ایک گراف پر نوٹ کر لیتا ہے اُسی طرح جس طرح دل کی حرکت کارڈیوگراف (Cardiograph) نوٹ کرتا ہے۔ پیمائش کو رچر اسکیل (Ritcher Scale) کہتے ہیں۔ زلزلے کے علم کو سیسمولوجی (Seismology) کہا جاتا ہے۔

زمین کے اندر جس جگہ زلزلہ پیدا ہوتا ہے اس کو فوکس (Focus) کہا جاتا ہے اور سطح زمین پر جس پوائنٹ پر وہ سب سے پہلے محسوس کیا جاتا ہے اس کو اپی سنٹر (Epicentre) کہتے ہیں۔ اپی سنٹر فوکس کے اوپر 180 ڈگری زاویے پر قائم ہوتا ہے۔ فوکس پر ویسی ہی لہریں پیدا ہوتی ہیں جیسے پُرسکون

پانی میں پتھر پھینکنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ زلزلے کی ان ہی لہروں کو سیسمک لہریں(Seismic waves) کہا جاتا ہے۔ یہ لہریں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک پرائمری (Primary waves)، دوسری سیکنڈری (secondary) اور تیسری ٹرشری (tertiary)۔ پرائمری لہروں کی رفتار 8 کیلومیٹر فی سکنڈ، سکنڈری کی 5 اور ٹرشری کی 3 کیلومیٹر فی سکنڈ ہوا کرتی ہے۔

اپی سنٹر پر پرائمری لہریں سب سے پہلے پہنچتی ہیں اور زمین کو اوپر نیچے حرکت دیتی ہیں۔ اس سے عمارتوں میں شگاف تو پڑ جاتے ہیں مگر وہ منہدم نہیں ہوتیں۔ اس کے بعد سکنڈری لہریں پہنچتی ہیں۔ اور سب سے بعد میں ٹرشری لہریں آتی ہیں جو زمین کو دائیں بائیں حرکت دیتی ہیں ان ہی لہروں سے زیادہ نقصان ہوا کرتا ہے۔ زلزلے خشکی کے علاوہ سمندروں کی تہہ میں بھی آتے ہیں جن کی وجہ سے سمندروں میں بڑی اور مہیب موجیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو جاپانی زبان میں سونامی (Tsunami) کہا جاتا ہے۔

زلزلوں کی شدّت کی 12 عدد تک گریڈنگ بھی کر لی گئی ہے۔ 5 تک کی گریڈنگ والے زلزلے نقصاندہ نہیں ہوتے مگر 7 اور اس سے زیادہ گریڈنگ والے خطرناک، ہلاکت خیز اور تباہ کن ہوا کرتے ہیں۔ دنیا کے کچھ بڑے زلزلوں سے ہونے والی انسانی ہلاکتوں کے اعداد و شمار ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

سال	مقام۔علاقہ	ہلاکتیں
1556	چین	800,000
1935	کوئٹہ (پاکستان)	60,000
1964	(USA) ایریزونا	100,000
2001	گجرات (بھارت)	100,000
2005	کشمیر (بھارت)	87,000
2009	پاکستان	100,000

زلزلے کی پیشین گوئیاں:

زلزلے کے بارے میں پہلے سے کچھ بتانا ممکن تو نہیں ہے مگر تجربات کی روشنی میں کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے مثلاً:

1 زلزلے کے آنے سے پہلے سطح زمین پر خلاف معمول طبعی تبدیلیاں ہونے لگتی ہیں۔ زمین اُٹھنے لگتی ہے اور اس میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں۔ کبھی پانی بھی ابلنے لگتا ہے۔ اگر ان غیر معمولی تبدیلیوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو زلزلوں کے بارے میں لوگوں کو ہوشیار کیا جاسکتا ہے۔

2 سیسموگراف کے ڈرم(Drum) پر زلزلے کی لہروں کی نوعیت کو دیکھ کر بڑے زلزلے کی آمد سے لوگوں کو آگاہ کیا جاسکتا ہے۔

3 زلزلے سے متاثر علاقوں کے ریکارڈ کے مطالعے سے بھی اُن کی آمد کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔

4 کسی بڑے زلزلے کی آمد سے پہلے راڈن گیس (Radon gas) کے غیر معمولی اخراج سے بھی زلزلے کی آمد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

5 کسی زلزلے کی آمد سے پہلے چرند، پرند، کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ بلوں میں رہنے والے جانور نکل کر بھاگنے لگتے ہیں۔ چڑیاں غیر معمولی طور پر چہچہانے لگتی ہیں۔ کتّے بھونکنے لگتے ہیں۔ رونے لگتے ہیں۔ جانوروں کی ان عجیب و غریب حرکتوں سے بھی زلزلے کی آمد کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔

■

Syed Shamim Ahmad Madny
5, Cross Road 10/A,Azadnagar
P.O.:Mango
Jamshedpur-831912 (Jharkhand)
Mob.: 8969850416

صفائی

محمد طلحہ انصاری

پیارے بچو! اللہ کے فضل سے ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا مذہب اسلام ہے۔ ہماری مذہبی کتاب قرآن ہے۔قرآن میں دین و دنیا کی کامیابی کی باتیں ہیں۔ جو کوئی بھی اس کی باتوں پر چلے گا وہ آخرت میں تو کامیاب ہوگا ہی اس کے ساتھ دنیا میں بھی کامیاب اور بامراد ہوگا یعنی دنیا میں پروقار اور صحت مند زندگی گزارے گا۔ آپ یقین کریں کہ انسان کے لیے بھلائی کی کوئی بھی ایسی بات نہ ہوگی جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ شرط صرف اتنی ہے کہ دیکھنے والی آنکھیں ہوں، سمجھنے والا دماغ ہو، اثر لینے والا دل ہو اور عمل کرنے والا انسان ہو۔ ہم آپ کے سامنے ایک مثال 'سوچھ ابھیان' کی پیش کریں گے۔

آج ہمارے ملک میں سوچھ ابھیان کی چہار سمت دھوم ہے۔آپ کے اسکول میں تو اس کی بڑی ہی چرچا ہے جس کے تحت آپ اپنے اسکول اور اردگرد کے ماحول کی صفائی کرتے ہیں۔صرف آپ ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے استاد بھی کرتے ہیں۔ مبارکباد اور مبارکباد کے قابل ہمارے ملک کے وزیر اعظم ہیں جن کے سوچھ ابھیان کے تحت قول و فعل میں تضاد نہیں یعنی اپنے قول سے اس ابھیان کی تشہیر بھی کرتے ہیں تو اپنے فعل سے سوچھ یعنی صفائی کرکے بھی دکھاتے ہیں۔ آج ملک کے اہم سے اہم عہدے پر فائز اور نامور شخصیتیں ڈاکٹر، فاسفر اور نامور کھلاڑی بھی اس ابھیان کے تحت صفائی کے کام میں مصروف نظر آتے ہیں، گویا ملک میں 'صفائی' کی مہم بڑے زور وشور سے جاری ہے اور یقیناً اس کے اچھے نتائج بھی برآمد ہو رہے ہیں۔ اس لیے ایسا کرنا بھی چاہیے۔

پیارے بچو! اب ذرا ہم اسلام اور قرآن یعنی اپنے مذہب اور مذہبی کتاب کو دیکھیں جو آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل 'سوچھ ابھیان' یعنی 'صفائی مہم' کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

قرآن کی ایک آیت ہے جس کا ترجمہ ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔''

اب ذرا ہم اور آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ صفائی یعنی پاک صاف (سوچھ) رہنے والوں سے اللہ محبت رکھتا ہے

اور اللہ جس سے محبت رکھے اس کے مرتبے کا کیا کہنا اور کس کی کیا مجال اور کس کی ہمت جو اس کا کچھ بگاڑ لے۔ دوسری جگہ ایک آیت ہے جس کا ترجمہ ہے:

’’اور اللہ تعالیٰ خوب پاک وصاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘

لیجیے اللہ کی پسند خوب پاک صاف یعنی سوچھ رکھنے والے ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ جسے پسند کرلے اس کی دنیا اور آخرت میں کامیابی طے ہے۔

یہ تو اللہ کی بات ہوئی۔ اب ذرا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یعنی حدیث پر نظر ڈالیں۔ ہمارے اور آپ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ لعیہ وسلم نے فرمایا:

’’صفائی نصف ایمان ہے۔‘‘

(Cleanliness in half of faith)

مذہب اسلام میں صفائی کے سلسلے سے ’وضو‘ پر غور کرلیجیے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو روزانہ پانچ مرتبہ چہرہ، ہاتھ اور پیر دھونے کے ساتھ ساتھ منہ اور ناک کو صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔

لہٰذا متذکرہ سطور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ہی مذہب اسلام نے اس اسکیم پر عمل کرنے کے لیے کہا ہے۔

پیارے بچو! اب آخر میں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ سوچھ یعنی صفائی کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ انسان اپنے جسم اور اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھے جس کی جھلک آج ’سوچھ ابھیان‘ میں دیکھی جارہی ہے اور دوسری دل کی صفائی ہے یعنی انسان اپنے دل کو بغض، حسد، ریا، کینہ، حرص، دغل، بغل، حرام، غیبت، نفاق اور دوسرے گناہوں سے صاف ستھرا (سوچھ) رکھے تب ہی مکمل طور پر ’سوچھ ابھیان‘ کامیاب ہوگا یعنی جسم کی صفائی کے ساتھ دل کی صفائی نہایت ضروری ہے۔

■

Md. Talha Ansari
Kankinara, District : North 24 PGS
BL No: 06, H. No: 43/2
River Side,West Bengal
Mob.: 7003434796

وسیم احمد نگرامی

عید کا چاند

عید کے چاند نے آکے سب سے کہا
ماہ رمضان کو اب کہو الوداع
جشن خوشیوں کا سب کو مبارک ہو یہ
آج کوئی رہے نہ کسی سے خفا
چل کے سب سے گلے آج مل آیئے
عید کے چاند نے آکے سب سے کہا
یہ نماز عید کی کچھ بتاتی بھی ہے
یک جہتی کا جذبہ جگاتی بھی ہے
دیں زکوۃ اور فطرہ جو جس پر بنے
جو ہیں کم تر کریں ان کا حق سب ادا
تا کہ خوشیوں کا قائم رہے سلسلہ
عید کے چاند نے آکے سب سے کہا
دن جو میٹھی سوئیوں کا آیا ہے یہ
ساتھ میں کتنے پکوان لایا ہے یہ
چاٹ قلفی دہی کے بڑے ہیں کہیں
شیر میں کاجو پستے پڑے ہیں کہیں
کھایئے کھایئے نوش فرمایئے
عید کے چاند نے آکے سب سے کہا

■

Wasim Ahmad Nigrami
10/42, Nigram Bazar
Lucknow-226303 (UP)

حسین قریشی

چاند کا چکر

"دادی جان! عید کب ہے؟ کتنے دنوں بعد عید آئے گی؟ ابو جان میرے لیے بہت ہی خوبصورت ڈریس لائے ہیں۔ سینڈل اور کنگن بھی میچنگ میچنگ ہے۔ میرے ڈریس کا لال رنگ ہے۔ جو مجھے بہت پسند ہے۔ مگر میں یہ تمام چیزیں کب پہنوں گی؟" گوہر افشاں نے تجسسی انداز میں دادی جان سے پوچھا۔

"ہاں! بیٹی واقعی تمھارے کپڑے اور سب سامان بہت خوبصورت ہیں۔ دیکھنا، عید کے دن تم ہی سب میں بہتر نظر آؤ گی۔ بالکل رانی پری کی طرح... بیٹی تم تھوڑا صبر رکھو۔ چاند نظر آنے کے بعد ہی عید منائی جاتی ہے۔" دادی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ لیکن دادی جان آپ نے کل کہا تھا کہ شام کو چاند نظر آجائے گا اور صبح ہم عید منائیں گے۔ مگر یہ چندا ماما کہاں کھو گئے؟ نظر ہی نہیں آتے۔ یہ کہاں رہتے ہیں؟ یا پھر کہاں چھپ جاتے ہیں؟ کبھی نظر آتے ہیں، کبھی نظر نہیں آتے۔ آخر چندا ماما کہاں جاتے ہیں۔ یہ چندا ماما کا چکر میری سمجھ سے باہر ہے۔ تم چندا ماما کو جلدی بلاؤ نا دادی جان..." گوہر افشاں نے شکایتی انداز میں کہا۔ "چاند آسمان میں رہتا ہے، ہم سے کافی دور، وہ روزانہ شام کے وقت ہمیں نظر آتا ہے، کبھی چھوٹا، کبھی بڑا، کبھی آدھا تو کبھی پورا، اور یہ سب چاند کی الگ الگ شکلیں ہوتی ہیں۔ جو تاریخ کے حساب سے روزانہ بدلتی رہتی ہیں اور ہاں مہینے میں ایک دن چاند پورا نظر آتا ہے، تو ایک دن آسمان میں چاند نظر نہیں آتا ہے۔ جیسے آج آسمان پر چاند نہیں ہے۔ آؤ چھت پر چل کر دیکھتے ہیں۔" دادی جان نے افشاں کا ہاتھ پکڑا اور کھڑے ہوتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "ہاں! دادی جان چلیے دیکھتے ہیں۔" افشاں نے دادی جان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ دونوں اوپر چھت پر جاتے ہیں۔ افشاں نے چاروں طرف نظریں دوڑائی۔ مگر سیاہ رات میں اسے چاند نظر نہیں آیا۔ اس نے کہا۔ "دادی جان آج واقعی آسمان میں چاند موجود نہیں ہے۔ آخر یہ چندا ماما گئے تو کہاں گئے؟ اور چاند چھوٹا بڑا کیوں ہوتا ہے؟ آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"بیٹی، چاند کے بارے میں اتنی معلومات مجھے نہیں ہے۔ یہ مکمل معلومات تمھارے چاچا ہی دے سکتے ہیں۔ وہ نماز سے آتے ہی ہوں گے۔ تم ان سے پوچھ لینا اور مجھے بھی بتانا۔" دادی جان نے سمجھاتے ہوئے افشاں سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آج چاند کا یہ چکر سمجھ کر ہی رہوں گی۔ میں چاچا جان کا انتظار کروں گی۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ افشاں کو چاند کے بارے میں سمجھاؤ، ورنہ وہ مجھے ٹال مٹول کر دیں گے۔" افشاں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹی، آنے دو تمھارے ریحان چاچا کو۔ میں اسے کہتی ہوں کہ وہ تمھیں سب سمجھائے۔" "شکریہ دادی جان!" افشاں نے کہا۔ اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ افشاں دوڑتی ہوئی دروازے پر پہنچی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے اس کے ابو اور چاچا کھڑے تھے۔ وہ اندر داخل

ہوئے۔ افشاں نے دادی جان کو اشارہ کیا کہ وہ چاچا جان سے کہیں۔ ''بیٹا ریحان یہاں آؤ۔'' دادی جان نے ریحان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''جی امی جان فرمائیں، میں حاضر ہوں۔'' ریحان نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ''بیٹا تم چاند کے بارے میں تفصیلی معلومات بیٹی افشاں کو سمجھاؤ، اسے چاند کے چکر نے کافی پریشان کردیا ہے۔''

''جی ضرور امی جان میں لیپ ٹاپ پر چاند پر مضمون لکھ رہا ہوں۔ کل مجھے آن لائن ورکشاپ میں پیش کرنا ہے۔ میرا بھی کام ہوجائے گا اور افشاں کی پریشانی بھی دور ہوجائے گی۔'' ریحان نے کہا۔ ریحان نے افشاں بیٹی کو آواز دی اور اپنا لیپ ٹاپ آن کیا۔ ہاں تو چاند کے بارے میں تمھیں کیا جاننا ہے۔ بتاؤ۔'' ریحان نے افشاں سے پوچھا۔

''چاند کیا ہے؟ چاند کی الگ الگ شکلیں کیوں ہوتی ہے؟ اور کیا وہاں پر بھی انسان رہتے ہیں؟'' گوہر افشاں نے پوچھا۔

ریحان نے لیپ ٹاپ پر کچھ سرچ کرنے کے بعد کہا۔

''چاند ہماری زمین کا ایک سیارچہ ہے۔ زمین سے کوئی دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ اس کا قطر 2163 میل ہے۔ چاند کے متعلق ابتدائی تحقیقات گلیلیو نے 1609 میں کیں۔ اس نے بتایا کہ چاند ہماری زمین کی طرح ایک کرہ ہے۔ اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ چاند پر پہاڑ اور آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے موجود ہیں۔ اس میں نہ ہوا ہے نہ پانی۔ ان کے نہ ہونے کے باعث چاند پر زندگی کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ دن کے وقت اس میں سخت گرمی ہوتی ہے اور رات سرد ہوتی ہے۔ چاند کا دن ہمارے پندرہ دنوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہ زمین کے گرد 29 یا 30 دن میں اپنا ایک چکر پورا کرتا ہے۔ اس لیے کبھی چاند انتیسویں شب تو کبھی تیسویں شب میں نظر آتا ہے۔ ایک تاریخ کا چاند بہت باریک اور پتلا ہوتا ہے۔ جو ہمیں کل رات نظر آئے گا۔ پھر اس کے بعد روز چاند تھوڑا تھوڑا بڑا ہوتا جاتا ہے۔ سات دنوں میں چاند کا پاؤ حصہ ہم دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے سات دنوں بعد ہمیں پورا چاند نظر آتا ہے۔ جو بہت زیادہ چمکدار ہوتا ہے۔ اسے چودھویں کا چاند کہتے ہیں۔ اس رات میں زمین پر چاند کی چاندنی زیادہ پڑتی ہے۔ اس رات کو 'پونم' کی رات بھی کہتے ہیں اور پھر اس کے بعد چاند دھیرے دھیرے دوبارہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اور پھر چودہ دنوں بعد پورا چاند ہماری نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اس رات میں گھنا اندھیرا ہوجاتا ہے۔ اس رات کو اماوس کی رات کہتے ہیں۔ جیسی آج کی رات ہے۔ اس طرح چاند کا انتیس یا تیس دنوں میں ایک چکر پورا ہوتا ہے۔ اسی لیے چاند کی ہمیں الگ الگ چھوٹی بڑی شکلیں نظر آتی ہیں۔ قمری اور اسلامی مہینے اسی کے طلوع وغروب سے مرتب ہوتے ہیں۔ چاند ہمیں رات کو صرف تھوڑی روشنی ہی نہیں دیتا بلکہ اس کی کشش سے سمندر میں مد و جزر بھی پیدا ہوتا ہے۔ اب تو تم سمجھ گئی ہونا...''

''ہاں ہاں میں سمجھ چکی ہوں۔ لیکن ہمیں چاند کا ایک ہی حصہ یا رخ نظر آتا ہے۔ چاچا جی ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' افشاں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے سوال پوچھا۔ ''دیکھو ایسا ہے کہ زمین سے ہمیں ہمیشہ چاند کا ایک ہی رخ نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند کی محوری گردش اور چاند کے زمین کے اردگرد گردش کا دورانیہ ایک ہی ہے۔ یعنی چاند اپنے محور پر اور اپنے مدار پر ایک ساتھ گھومتا ہے۔ یہ ویڈیو دیکھو۔ ہمیں زمین سے کسی ایک وقت میں چاند کا تقریباً 41 فی صد حصہ نظر آتا ہے۔ اگر چاند پورا ہو۔ مگر یہ حصہ کچھ بدلتا ہے اور ہم مختلف اوقات میں چاند کا نصف سے کچھ زیادہ حصہ دیکھ سکتے ہیں، جو 59 فی صد بنتا ہے۔ مگر ایک وقت میں 41 فی صد سے زیادہ نظر نہیں آسکتا۔ زمین سے چاند کا اوسط فاصلہ 385000 کلومیٹر ہے۔ جو افزائشِ مد و جزری کی وجہ سے بڑھ رہا ہے۔ اگر زمین

چانداور سورج کے درمیان آجائے تو جزوی یا مکمل چاند گہن لگتا ہے۔ اس وقت چاند سیاہ یا سرخی مائل نظر آتا ہے۔ اگر چاند سے زمین کو دیکھا جائے تو زمین ہمیشہ ایک ہی جگہ نظر آتی ہے۔'' ہے نا دلچسپ باتیں۔ ریحان نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''بہت اچھا، مگر یہ چاند کا مدار کیا ہوتا ہے؟'' افشاں کی معلومات میں اضافہ ہوتا جارہا تھا، اس لیے وہ مزید سوال پوچھ رہی تھی۔

''چاند زمین کے اردگرد 29 یا 30 دنوں میں چکر لگاتا ہے۔ اس کے راستے کو چاند کا مدار کہا جاتا ہے۔ چاند زمین کے گرد 1.023 کلومیٹر فی سیکنڈ کی اوسط رفتار سے چکر لگاتا ہے۔ عمومی سیارچوں کے برعکس اس کا چکر خطِ استوا کے مستوی (Plane Equatorial) کے بجائے اس مستوی کے قریب ہے۔ جس میں زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ چاند کا مدار بڑھ رہا ہے۔ یعنی زمین سے اوسط فاصلہ زیادہ ہورہا ہے۔ اسے افزائش مدوجزری کہا جاتا ہے۔'' ریحان نے لیپ ٹاپ کی اسکرین دکھاتے ہوئے کہا، ''اس طرح سے چاند کا مدار ہوتا ہے اور اس طرح چاند کی گردش ہوتی ہے۔''

''چاچا جان! آپ نے بہت مفید اور کام کی باتیں بتائی ہیں۔ اب بس چاند گہن کے بارے میں بتادو، پلیز'' افشاں نے کہا۔

''زمین کا وہ سایہ جو زمین کی گردش کے باعث کرۂ زمین کے چانداور سورج کے درمیان آجانے سے چاند کی سطح پر پڑتا ہے اور چاند تاریک نظر آنے لگتا ہے۔ اسے چاند گہن کہتے ہیں۔ چاند گہن کبھی جزوی ہوتا ہے اور کبھی پورا۔ یہ اس کی گردش پر منحصر ہے۔ زمین اور چاند تاریک کرے ہیں اور یہ دونوں سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ زمین سورج کے گرد اپنے مدار پر گھومتی ہے اور چاند زمین کے گرد اپنے مدار پر گھومتا ہے۔ یہ سال میں دو مرتبہ ایک دوسرے کے سامنے آجاتے ہیں۔ جس سے ایک کا سایہ دوسرے پر پڑتا ہے۔ چاند پر سایہ پڑتا ہے تو چاند گہن اور سورج پر پڑتا ہے تو سورج گہن کہلاتا ہے۔ یہاں دیکھو اس تصویر میں چاند گہن کس طرح بنتا ہے دکھایا گیا ہے۔'' ریحان نے لیپ ٹاپ دکھاتے ہوئے کہا۔

''چاچا جی کیا سورج گہن بھی اسی طرح ہوتا ہے؟'' افشاں نے تجسس کے ساتھ ایک اور سوال پوچھا۔

''سورج گہن ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ زمین پر سورج گہن اس وقت لگتا ہے۔ جب چاند دورانِ گردش زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے۔ جس کی وجہ سے سورج کا مکمل یا کچھ حصہ دکھائی دینا بند ہوجاتا ہے۔ اس صورت میں چاند کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔ چونکہ زمین سے سورج کا فاصلہ زمین کے چاند سے فاصلے سے 400 گنا زیادہ ہے اور سورج کا محیط بھی چاند کے محیط سے 400 گنا زیادہ ہے۔ اس لیے گہن کے موقع پر چاند سورج کو مکمل یا کافی حد تک زمین والوں کی نظروں سے چھپا لیتا ہے۔ سورج گہن ہر وقت ہر علاقے میں نہیں دیکھا جاسکتا، اس لیے سائنسدانوں سمیت بعض لوگ سورج گہن کا مشاہدہ کرنے کے لیے دور دراز سے سفر طے کر کے گرہن زدہ خطے میں جاتے ہیں۔ مکمل سورج گہن ایک علاقے میں تقریباً 370 سال بعد دوبارہ آسکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات منٹ چالیس سیکنڈ تک برقرار رہتا ہے۔ البتہ جزوی سورج گہن کو سال میں کئی دفعہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اب تم سمجھ گئی ہونا...''

''ہاں چاچا جان اب میں چاند کے چکر اور چاند گہن و سورج گہن کے بارے بہت کچھ جان چکی ہوں۔ میں یہ معلومات اپنے دوستوں و سہیلیوں کے ساتھ ضرور شیئر کروں گی۔ آپ کا بہت شکریہ'' افشاں نے خوشی سے کہا۔

■

Husain Qureishi
Ward No - 7, Kharbari Road
Near KGN Masjid, Muqam wa Post
Talluqua Mutla, Distt.: Buldana - 443193(MS)
Mob.: 9850155656

رومانہ عفت راحی

عید کی سچی خوشی

حذیفہ نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ بہت ذہین اور فرمانبردار تھا۔ وہ اپنے اساتذہ اور اپنی فیملی کا لاڈلا تھا، غرض کہ حذیفہ ہر کسی کی آنکھ کا تارا تھا... حذیفہ اچھی عادتوں کا مالک تھا... اسی لیے ہر کوئی اس سے محبت کرتا۔ حذیفہ ہر وقت سب کی مدد کے لیے تیار رہتا تھا، لیکن اس پیارے سے حذیفہ میں ایک بہت خراب عادت تھی، وہ اپنی کوئی بھی چیز کسی کو چھونے بھی نہیں دیتا تھا۔ وہ ہر ماہ اپنے پاپا سے ضد کر کے ڈھیر ساری شاپنگ کرتا تھا... اس کی وارڈروب میں رنگ برنگے کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس کی ممی اس سے کہتی کہ حذیفہ جو چیزیں تم استعمال نہیں کرتے، وہ کسی غریب کو دے دیا کرو، غریب دعائیں دیں گے... لیکن حذیفہ دینے سے انکار کر دیتا۔

رمضان المبارک کی آمد آمد تھی۔ مغرب کی نماز ادا کر کے گھر کے سبھی افراد چھت پر جمع تھے۔ سب ماہ رمضان کے چاند کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے، پھر کچھ دیر بعد افق پہ روشن چاند نمودار ہو چکا تھا۔ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے، تبھی حذیفہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر آیا۔

''مبارک ہو حذیفہ بیٹا! رمضان المبارک کا چاند نظر آ چکا ہے۔'' دادا جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کو بھی مبارک ہو دادا جان!'' حذیفہ نے دادا جان سے کہا اور رمضان المبارک کے روشن چاند کو دیکھ کر دعا کرنے لگا۔

''دادا جان! مجھے بھی رمضان المبارک کا چاند دکھایئے نا'' شیزا نے کہا تو دادا جان نے چھوٹی سی شیزا کو گود میں اٹھا کر رمضان المبارک کا چاند دکھایا۔

''دادا جان! اس سال میں رمضان المبارک کے پورے روزے رکھوں گا'' حذیفہ پرعزم لہجے میں بولا۔

''اللہ تمھیں اس گرمی کے پورے روزے رکھنے کی طاقت عطا فرمائے بیٹا!'' دادا جان نے خلوص دل سے کہا۔

حذیفہ بیٹا! روزے کا مطلب صرف کھانا پینا چھوڑنا نہیں ہے، بلکہ ہمیں روزے کی حالت میں برے کاموں سے بچنا چاہیے... یہ بہت مبارک اور برکت والا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے کو فرض فرمایا ہے۔ اس مقدس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتوں، برکتوں کی بارش کرتے ہیں۔ اس مہینے شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس مہینے میں نیکی کے ساتھ کسی فرض کو ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے... اس مہینے جو شخص کسی روزے دار کو افطار کرائے گا تو اس کے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا۔ آس پاس رہنے والے غریبوں و مسکینوں کا ہمیں خیال رکھنا چاہیے، ان کی مدد کرنا چاہیے، جب کوئی شخص عید سے پہلے کسی غریب کو زکوٰہ

وغیرہ دے دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں، دادا جان بہت محبت سے حذیفہ کو رمضان المبارک کی فضیلت کے بارے میں سمجھا رہے تھے، حذیفہ بہت غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا… دادا جان کی ایک ایک بات اس کے دل میں اترتی چلی جا رہی تھی۔

رمضان المبارک کے رحمت اور مغفرت کے دو عشرے بہت جلدی گزر گئے تھے، اب تیسرا عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ حذیفہ باقاعدگی سے پورے روزے رکھ رہا تھا اور عبادت بھی پوری دلجمعی سے کر رہا تھا۔ آج اس نے اسکول کی چھٹی لے لی تھی، اور عید کی شاپنگ کرنے کے لیے مارکیٹ گیا تھا، پھر وہ تراویح کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے دوست احمر کے گھر چلا آیا، دستک دینے کے لیے اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ احمر کی روتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، حذیفہ نے ٹوٹے ہوئے دروازے سے اندر جھانکا۔

''امی! میرے سب دوستوں نے عید کے لیے نئے کپڑے، جوتے خرید لیے ہیں، آپ مجھے کب دلاؤ گی''

''بس بیٹا! یہ دو، تین ڈریس اور سی لوں، پھر میں تمھیں عید کے لیے نئے کپڑے خرید دوں گی'' احمر کی امی سلائی مشین پر جھکی ہوئی تھی۔

''امی! روزہ افطار کرنے کے لیے بھی ہمارے پاس اچھا کھانا نہیں ہوتا، امی جن کے ابو نہیں ہوتے تو کیا وہ عید کے لیے نئے کپڑے نہیں خرید سکتے، عید ہم غریبوں کے لیے خوشیاں لے کر کیوں نہیں آتی امی…'' احمر روتے ہوئے بولا تو اس کی امی مشین سے کپڑے ایک طرف کرتی ہوئی اٹھی اور اس کے پاس آ بیٹھی۔

''بیٹا!… کیوں ناشکری کر رہے ہو، خدا کو ایسے بندے بالکل پسند نہیں ہیں، اللہ پر بھروسہ رکھو وہ رب ضرور تمھارے نئے کپڑوں کا انتظام کر دے گا'' احمر کی امی بھی رو رہی تھی۔

حذیفہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آ گئے تھے… احمر اس کا بہت پیارا دوست تھا۔ احمر کے ابو کا انتقال ہو گیا تھا۔ احمر کی امی سلائی کر کے گھر کا خرچ چلاتی تھی۔ حذیفہ کا دل ایک دم دکھ سے بھر گیا تھا۔ حذیفہ، احمر کو اپنا بیسٹ فرینڈ مانتا تھا لیکن اس کے مالی حالات سے بے خبر تھا، پھر حذیفہ نے اپنے آنسو صاف کر کے ایک عزم کے ساتھ دروازے پہ دستک دی تھی۔

''احمر… احمر…!''

آواز پر احمر باہر آیا اور حذیفہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''احمر…! یار میں آج اسکول نہیں آیا تھا، تو اسی لیے تمھاری کتاب لینے کے لیے آیا تھا'' اس نے عذر پیش کیا تو احمر مسکرا دیا۔

''حذیفہ…! اندر آؤ نا'' احمر اسے اندر آنے کے لیے کہنے لگا۔

''نہیں یار! پھر کبھی آؤں گا، تم انگلش کی کتاب لے آؤ اور میرے ساتھ میرے گھر چلو''… حذیفہ نے کہا۔

''کیوں…؟'' احمر حیران سا اس سے پوچھنے لگا۔

''چلو تو سہی یار، پھر بتاؤں گا…'' اس نے اصرار کیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں امی کو بتا کر آتا ہوں، وہ اندر گیا اور پھر کچھ دیر بعد کتاب تھامے واپس باہر چلا آیا، پھر حذیفہ، احمر کو اپنے گھر لے آیا۔ حذیفہ کا گھر بہت خوبصورت تھا، احمر، حذیفہ کے روم میں بیٹھا حسرت بھری نظروں سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہا تھا… پھر حذیفہ بہت سارے شاپرز لیے چلا آیا۔''

''یہ لو احمر! یہ تمھارے لیے ہے'' حذیفہ شاپرز اس کے قریب رکھتے ہوئے بولا۔

''میرے لیے کیوں''؟ احمر بہت حیران ہوا۔

''میری طرف سے تمھارے لیے عید کے تحفے ہیں''…

حذیفہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''لیکن حذیفہ میں یہ اتنی ساری چیزیں کیسے لے سکتا ہوں'' احمر اتنے سارے شاپرز کو دیکھ کر بولا۔
''میں تمھیں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں... میری خوشی کے لیے تم یہ لے نہیں سکتے کیا؟ حذیفہ اس سے اصرار کرنے لگا۔
''حذیفہ! ایسی بات نہیں ہے، اگر تمھارے ممی، پاپا نے دیکھ لیا تو وہ تم سے ناراض ہو جائیں گے'' احمر پریشانی سے بولا۔
''اے یار! میرے ممی، پاپا نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا، وہ تو میرے اس اقدام سے بہت خوش ہوں گے اور پاپا نے عید کے لیے مجھے بہت ساری شاپنگ کروائی ہے اور تم یہ پیسے بھی لے لو اس سے عید کے ضروری سامان خرید لینا، پلیز احمر تم یہ سب لے لو مجھے بہت خوشی ہوگی'' حذیفہ نے بہت اصرار کیا تو پھر احمر نے خوشی خوشی وہ شاپرز تھام لیے۔ حذیفہ نے اس ماہ کی جمع کی ہوئی ساری پاکٹ منی بھی اسے دے دی تھی۔
''شکریہ حذیفہ!'' احمر کی آنکھوں میں نمی تھی۔ جب کہ حذیفہ نے پیار سے احمر کو گلے لگا لیا تھا۔
آج کا روشن سورج امت محمدیہ کے لیے خوشی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ آج روزے داروں کی عبادتوں کا انعام کا دن تھا، عیدالفطر کی گہما گہمی ہر طرف نظر آ رہی تھی، ہر چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا، عید کی نماز ہو چکی تھی، ہر شخص اپنے دلوں کی کدورت کو مٹا کر ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے، حذیفہ عید کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھر سے سوئیاں اور شیر خرما لے کر احمر کے گھر چلا آیا تھا۔
''السلام علیکم آنٹی!'' حذیفہ نے احمر کی امی کو سلام کیا۔
''وعلیکم السلام!'' اس کی امی اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔
''یہ لیجیے آنٹی''! اس نے بڑا سا ٹفن انھیں تھمایا تو اس کی امی نے تشکر بھری نظروں سے دیکھا۔
''اللہ تمھیں ہمیشہ خوش رکھے بیٹا! اندر آؤ نا حذیفہ'' احمر کی امی اسے لیے اندر چلی آئی۔ احمر، حذیفہ کو دیکھ کر بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا اور سلام کر کے خوشی سے اس کے گلے لگ گیا۔
''بہت بہت عید مبارک ہو میرے پیارے دوست!'' حذیفہ نے محبت سے احمر سے کہا۔
''تمھیں بھی عید بہت بہت مبارک ہو حذیفہ'' احمر کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔
''آج میں بہت خوش ہوں حذیفہ، تم نے مجھے اس عید کی جو خوشی دی ہے، اللہ تمھیں اس کا اجر ضرور دے گا۔ احمر اس سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔ اور پھر حذیفہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھایا، پھر دونوں نے ساتھ میں سوئیاں کھائیں اور پھر شیر خرما پیا، حذیفہ نے بہت غور سے احمر کے چہرے کو دیکھا، خوشی سے احمر کا چہرہ دمک رہا تھا، اس نے حذیفہ کے دیے ہوئے نئے کپڑے پہنے تھے، وہ حذیفہ جو کبھی اپنی چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیتا تھا، آج احمر کو اپنے نئے کپڑے پہنتے دیکھ کر عجیب سی خوشی محسوس کر رہا تھا، اس نے سوچا اگر ہماری ذرا سی کوشش سے کسی کے ہونٹوں پر مسکان آجاتی ہے، کسی کا دل خوش ہو جاتا ہے تو یہی ہمارے لیے سچی خوشی ہے، عید پر غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنا بھی بہت بڑی عبادت ہے، حذیفہ احمر کی مدد کر کے عید کی سچی خوشی پا چکا تھا اور حذیفہ نے عہد کر لیا تھا کہ وہ ہر آنے والی عید پر احمر جیسوں کی مدد کر کے اسی طرح عید کی سچی خوشیاں پاتا رہے گا۔

■

Roomana Iffat Rahi D/o Shaikh Bilal
Heera Pura
Near Masjid Darus SalamAchalpur
Distt.: Amravati - 444806 (Maharashtra)

سارہ فیصل بنت امیر فیصل

عید یہ خوشیاں لائی ہے

چاروں طرف ہے بکھری لالی
کیسی گھٹا اب چھائی ہے
گھر آنگن ہے مہکا مہکا
عید یہ خوشیاں لائی ہے
عید یہ خوشیاں لائی ہے
بچے خوشی سے جھوم رہے ہیں
رنگ برنگ کے کپڑے پہنے
میلوں میں یہ گھوم رہے ہیں
عطر کی خوشبو ہر سو پھیلی
فضا بھی یہ مہکائی ہے
عید یہ خوشیاں لائی ہے
عید یہ خوشیاں لائی ہے
ننھے منے پیارے پیارے
لگتے جیسے ہیں یہ ستارے
ٹھمک ٹھمک کر پورے گھر میں
بڑوں سے عیدی مانگ رہے ہیں

گونج رہی یہاں چاروں طرف
خوشیوں کی شہنائی ہے
عید یہ خوشیاں لائی ہے
عید یہ خوشیاں لائی ہے
پھیلی ہوئی ہے پکوانوں کی
بھینی بھینی خوشبوئیں
چمک اٹھے ہیں درو دیوار
معطر ہوئی فضائیں ہیں
بوڑھے اور جوانوں میں بھی
خوشیاں اور رعنائی ہے
عید یہ خوشیاں لائی ہے
عید یہ خوشیاں لائی ہے

■

Sara Faisal D/o Ameer Faisal
Shaikh Damu Pura
Maunath Bhanjan- 275101 (UP)
Mob.: 7408984071

بچوں کی زبان میں بچوں سے بات کی جانی چاہیے

س: بچپن کی کون کون سی باتیں، شوخیاں، شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: شرارتیں اور شوخیاں ہی بچپن کا دوسرا نام ہے۔ بچپن کے کچھ واقعات وحادثات ہمارے شعور میں ہمیشہ کے لیے پیوست ہو جاتے ہیں، جو چاہ کر بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔ بچپن میں مجھے گائے کے بچھڑے، بکری کے بچے (میمنے) اور چوزوں سے بڑی محبت تھی۔ صبح اسکول کے لیے جب بیدار ہوتا تو دروازہ کھولتے ہی گائے کا بچھڑا اور میمنے اُٹھ کھڑے ہوتے، چوزوں کو ڈربے سے باہر نکالتا تو چوزے اٹھکھیلیاں کرتے ہوئے دوڑ پڑتے، یہ منظر بہت پیارا لگتا۔ اسکول جانے سے پہلے اور آنے کے بعد ان معصوم دوستوں سے بھی ملاقات ہوتی، سچ پوچھو تو ان سے محبت سی ہو گئی تھی۔ ان کے لیے گھاس اور چارے کا انتظام میرے ہی ذمے تھا۔ اسکول سے آنے کے بعد مئی، جون کی چلچلاتی دھوپ میں ان کے چارے کے لیے ندی کنارے نکل پڑتا۔ ان کی پسندیدہ گھاس کا علم مجھے ہو چکا تھا۔ کبھی کبھی بہت دور نکل پڑتا۔ ندی کے کناروں پر چند بیر کے درخت نما جھاڑیاں بھی تھیں جس کے بیر بڑے لذیذ ہوتے۔ ساتھ میں کچھ ببول کے درخت بھی تھے جن کی پھلیاں بکری بڑے شوق سے کھاتی۔ پھلیاں کھانے کے بعد بکری جب جگالی کرتی اور ببول کے بیج باہر نکالتی تو سارے بیج میں جمع کر لیتا اور پھر وہی ببول کے بیج ندی کنارے پھینکتا ہوا چلا جاتا تا کہ بہت سارے درخت اُگ جائیں۔ اب شہر سے جب گاؤں آتا ہوں تو یہ سوچ کر خوش ہو جاتا ہوں کہ شاید یہ میرے پھینکے ہوئے بیجوں سے ہی اُگے ہوئے درخت ہیں۔ ہمارا گھر محلے کی سرحد پر تھا اس کے بعد برادرانِ وطن غیر مسلموں کی آبادی تھی۔ اکثر اس علاقے سے کچھ لوگ مے نوشی کر کے آتے اور ہمارے محلّے سے انڈے خرید کر لے جاتے کچھ تو کچے انڈے وہیں توڑ کر پی جاتے۔ چونکہ ہمارے گھر بھی مرغیوں کا ڈربہ تھا، میری ذمے داری ان لوگوں کو انڈے بیچنے کی بھی تھی۔ کبھی کبھی ہفتہ واری بازار کے دن انڈے کم پڑ جاتے۔ کئی گراہکوں کو واپس جانا پڑتا۔ ایک دن یوں ہوا کہ گھاس اور بیروں کی تلاش میں گاؤں کے باہر نکل گیا۔ کنارے سے دیکھا تو نیچے پانی میں کافی پکے ہوئے بیر پڑے تھے، انھیں سمیٹنے کی لالچ میں نیچے ندی میں اتر گیا، نیچے ایک درخت کے جڑ کے قریب یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ کچھ انڈے وہاں رکھے ہوئے تھے، میں نے وہ انڈے اٹھا لیے اور گھر پہنچ کر ایک جگہ چھپا دیے، رات میں انڈوں کے لیے گراہک آئے تو انھیں بیچ دیے۔ اچھی

شجاع الدین شاہد

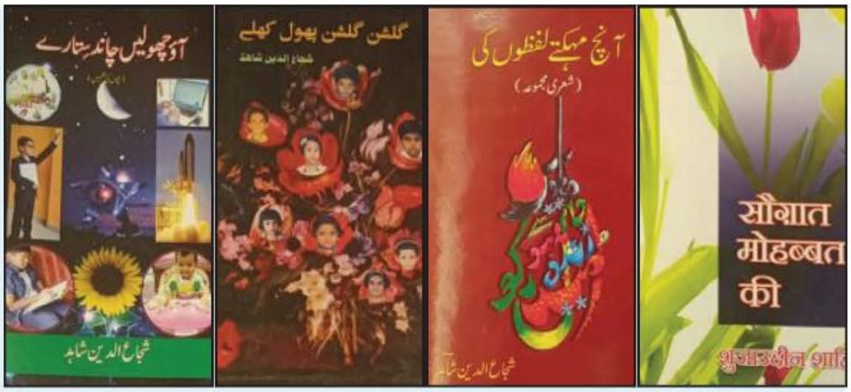

شجاع الدین شاہد کی کتابوں کا عکس

خاصی آمدنی ہونے لگی اور ندی کنارے جا کر انڈے ڈھونڈ لاتا۔ ہمارے گاؤں میں ایک ڈربہ نما ہوٹل تھا جس کے بھجیئے اور مونگ وڑے بہت لذیذ ہوا کرتے تھے، پھر کیا تھا کچھ دوستوں کو لے کر جی بھر کے شام کا ناشتہ کیا جاتا، ہوٹل کا مالک ایک مہاجن تھا جو کہ والد صاحب کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے شکایت کر دی کہ آپ کا صاحب زادہ دوستوں کے ساتھ یہاں ناشتہ کرتا ہے۔ رات میں والد صاحب گھر آئے تو اسکول بیگ اور میری تلاشی لی گئی۔ کچھ روپیہ برآمد ہوا۔ والد صاحب نے سختی سے پوچھا اتنا پیسہ کہاں سے آیا؟ (اُس زمانے میں جیب خرچ کی کوئی اصطلاح نہیں تھی)۔ مار کے ڈر سے ہم نے سچ سچ بتا دیا۔

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: ہمارے استاد تھے عبدالرزاق دل صاحب جو کہ شاعر بھی ہیں جنھیں مطالعے کا شوق تھا، وہ اکثر شہر جاتے تو کتابیں لاتے، اُس وقت ڈاکٹر ذاکر حسین اور کرشن چندر مجھے پسند تھے۔ راجندر سنگھ بیدی، خواجہ احمد عباس، غالب و اقبال کل بھی پسند تھے آج بھی ہیں۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

ج: منشی پریم چند کی گئودان اور کرشن چندر کا 'اُلٹا درخت' ان کتابوں نے مجھے بہت متاثر کیا۔

س: بچپن میں کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: ہمارا گاؤں بہت ہی چھوٹا سا تھا۔ وہاں رسائل اور اخبارات کی پہنچ نہیں تھی۔ ہمارے استاد کبھی کبھار طوطا مینا، حاتم طائی کے قصّے وغیرہ کتابچے لے آتے وہی پڑھ لیا کرتے۔ پڑھنے کو نہ ملے تو مسجد میں جا کر، فضائل اعمال، بہشتی زیور وغیرہ ہی پڑھ لیتا، حالانکہ یہ کتابیں سر سے اوپر جاتیں۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے والدین اپنے بچوں کو اخلاقی و سبق آموز کہانیاں سنائیں، اس کے بعد بچوں کو خود بہ خود مطالعہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ ماحولیات، ندی، نالے، پہاڑوں کی افادیت سے اُنھیں آگاہ کرائیں۔ جہاں تک ہو سکے سائنس و ٹیکنالوجی کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔ اس سے ان کی ذہنی نشوونما ہوگی۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہو سکتی ہیں؟

ج: ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ والدین خود گھر میں اچھی زبان کا استعمال کریں، انھیں آداب سکھائیں اور زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے اُردو املا اور رسم الخط جیسی کتابیں سودمند ہو سکتی ہیں۔ مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے اسماعیل میرٹھی، شفیع الدین نیر، ڈاکٹر ذاکر حسین اور موجودہ دور کے چند رسائل جیسے اُمنگ، بچوں کی دنیا، گل بوٹے بچوں کو پڑھنے کو دیں۔

س: مستقبل اور اپنے کیریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

ج: جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ دور گلوبلائزیشن (عالم کاری) کا دور ہے۔ دورِ حاضر سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، ایسے

دور میں اُردو زبان وادب سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم مصنفین کی ذمے داری ہے کہ وہ سائنسی ادب پر کام کریں، ہر چند کہ اُردو کونسل اس طرف قدم بڑھا رہی ہے پھر بھی بچوں کے ادیبوں کو اس میدان میں خصوصی توجہ دینی ہوگی۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: میری پیدائش 9 جون 1959 میں مہاراشٹرا کے ایک چھوٹے سے گاؤں بیودہ (امراوتی) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی، پھر گریجویشن کیا۔ 1981 میں مرکزی حکومت کے انڈین پوسٹ میں ملازمت مل گئی، پوسٹنگ عروس البلاد ممبئی میں ہو گئی۔ یہاں ادبی ماحول ملا۔ شعری نشستوں میں قمر جلال آبادی، مجروح سلطانپوری، حسن نعیم، کالی داس گپتا رضا، نوشاد صاحب، سردار جعفری کو بہت قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ غزلیں اور بچوں کے لیے بھی لکھتا رہا۔ بچوں کے لیے دو کتابیں، 'گلشن گلشن پھول کھلے' اور 'آؤ چھولیں چاند ستارے' منظر پر آچکی ہیں، جنھیں ملک کی اکیڈمیوں نے انعام سے نوازا۔ پہلی کتاب تو اُردو قومی کونسل نے اچھی تعداد میں خریداری کی جس سے لکھنے کا حوصلہ اور بڑھا۔ اب بھی سفر جاری ہے۔ ایک کہانی 'درختوں کی لڑائی' ماہنامہ 'اُردو دنیا' کے گوشۂ اطفال میں شائع ہوئی جو کہ مہاراشٹر کے تعلیمی نصاب میں شامل کی گئی۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: ممبئی ملازمت کے سلسلے میں آ گیا۔ یہاں ادب کا ماحول تھا۔ بچوں کے تمام رسائل اور ادبی پرچے زیر مطالعہ رہتے۔ مشہور شاعر ظفر گورکھپوری (مرحوم) سے گھریلو تعلقات رہے ہیں، انھوں نے مشورہ دیا کہ بچوں کے لیے بھی لکھا کرو کیونکہ آنے والی نسل کے لیے ضروری ہے۔ اُن کی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں، سفر ہنوز جاری ہے۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: غالباً سب سے پہلے روزنامہ 'انقلاب' میں نظم شائع ہوئی۔ اس وقت خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس کے بعد پیامِ تعلیم، اُمنگ، گل بوٹے، اردو دنیا وغیرہ میں تخلیقات شائع ہونے لگی۔

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: وہ موضوعات جن سے بچوں کی دلچسپی برقرار رہے ایسے موضوعات کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ دور جدید ٹیکنالوجی کا ہے اس لیے اس طرف توجہ دے رہا ہوں، سائنسی موضوعات پر لکھ رہا ہوں۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: بچوں کے لیے ادب تخلیق کرتے وقت خود بچہ بن جانا پڑتا ہے، پھر خود بہ خود زبان آسان ہو جاتی ہے۔ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر تحقیق کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

س: بچوں کے لیے لکھتے وقت آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: کبھی دقتوں کا سامنا نہیں ہوا۔ ہاں جہاں کہیں ثقیل الفاظ آتے ہیں، ہماری زبان میں اس کے متبادل موجود ہیں۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقوں میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا، ادیب اطفال کی حیثیت سے بھی پہچانا جاتا ہوں۔ ملک کی اہم اکیڈمیوں نے اعزاز سے نوازا ہے۔ تعلیمی نصاب میں بھی شامل کیا گیا ہوں۔ تخلیقات بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی شکوہ شکایت نہیں۔

س: کیا آپ بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج: جی ہاں، بڑے ذوق وشوق سے۔

س: کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: بالکل ہے! بچوں کی دنیا سامنے ہے۔ امنگ بھی ہمارے

پاس ہے، یہ بچوں کی دلچسپی کا سامان بچوں کو فراہم کرتے ہیں۔

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: کسی حد تک تو مطمئن ہوں، مگر رسائل کو اپنے مواد میں کچھ تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ سائنسی معلومات کا دائرہ بڑھانا چاہیے۔

س: معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: ادب کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ ادب بے رنگ ہو کر رہ جائے گا۔ ادب اطفال کے کچھ مصنّفین عصری معاملات کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں مگر آٹے میں نمک کے برابر۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج: زمانہ حال میں لکھا جانے والا بچوں کا ادب غیر معیاری تو نہیں ہے البتہ عصر جدید کے بچوں کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اب زمانہ بدل چکا ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی آگے بڑھ رہی ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بچوں کے ادیب ایسے بھی ہیں جنھوں نے وقت کی نبض پکڑی ہے۔ بچوں کے لیے وقت و حالات اور ان کی عمر کے لحاظ سے آسان لفظیات میں سائنس وٹیکنالوجی کو مدنظر رکھتے ہوئے نظمیں کہی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد تسلی بخش نہیں ہے۔

س: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز و مشورے!

ج: یہ سچ ہے کہ بچوں کے ادب کی ابتدا درسی کتب سے ہوتی ہے اور نصاب بھی اسی مناسبت سے تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن درسی کتب سے بچوں کے درخشاں مستقبل کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے ادب سے جوڑے رکھنے کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی کے علاوہ دلچسپ موضوعات سے بھی متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ روایتی کہانیوں کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کا جذبہ بھی بچوں میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ اچھے اور سچے شہری بن کر ملک کی خدمت انجام دیں۔

س: ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج: 'بچوں کی دنیا' روز بروز ترقی کی سمت گامزن ہے۔ تمام مشمولات بچوں کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ مگر کبھی کبھی کوئی تخلیق بچوں کے ذہن سے اوپر کی بھی ہوتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کی زبان میں بچوں سے باتیں کی جانی چاہئیں۔ اگر قومی کونسل ادب عالیہ کے مشاعروں کے ساتھ ساتھ ادب اطفال کے شاعروں کا بھی مشاعرہ ملک کے مختلف صوبوں میں رکھے تو ایک نئی نسل تیار ہو سکتی ہے۔

س: بچوں کے لیے کوئی پیغام؟

ج: یہ دور مسابقتی دور ہے، دیگر برادران وطن کے ساتھ ہم اہل اردو کو بھی آگے بڑھنا ہے۔ خوب بڑھنا ہے۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ دیگر علوم پر بھی دسترس حاصل کرنی ہے۔ اگر کسی وجہ سے ہم اردو زبان میں تعلیم حاصل نہیں کر رہے ہوں تو عربی و اردو گھر پر ہی سیکھیں۔ کیونکہ اردو تہذیب سکھاتی ہے۔ اردو زبان سے واقفیت ہماری اہلیت میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ اور ہم کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے۔ ایک بات اور یاد رکھیں کہ آج ساری دنیا میں ایک ہی زبان چل رہی ہے، وہ ہے کمپیوٹر کی زبان۔ اس زبان پر اگر آپ دسترس حاصل کر لیتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی، ساتھ میں اردو زبان ہو تو سونے پہ سہاگہ!

■

Shujauddin Shahid
C-5, Sawambhu Socity No.1, Mhada
Malwani, Malad (W)
Mumbai- 400095 (Maharashtra)
Mob: 9969039485
Email:shahid.shujauddin59@gmail.com

عبدالرحیم نشتر

رب کا شکر ادا کرتا ہوں

رب کا شکر ادا کرتا ہوں
رب کا شکر ادا کرتا ہوں
جس نے ماں جیسی نعمت دی
ابو کے جیسی رحمت دی
دادی ماں کا روپ دکھایا
دادا کو دم ساز بنایا
بھیا جیسا بازو بخشا
بے قابو کو قابو بخشا
پیاری پیاری بہن عطا کی
کتنی نوازش ہے یہ رب کی
یہ اچھا سا پیارا سا گھر
کھیلتا ہوں میں جس میں دن بھر
سورج اپنا نور لٹائے
اور مری طاقت بن جائے
تازہ، ٹھنڈی مست ہوائیں
ہر دم میرا جی بہلائیں
صبح سلونی ہر دن آئے
شام کا تحفہ دے کر جائے
نیند مری آنکھوں میں رکھ کر
رات لگا دیتی ہے بستر
اچھے اچھے خواب دکھائے
نئے جہاں کی سیر کرائے
دوسرے دن میں کیا کرتا ہوں
رب کا شکر ادا کرتا ہوں

■

Abdur Raheem Nashtar
103, Image Residency
Plot No - 94, Ayappa Nagar
Nagpur - 440013(MS)

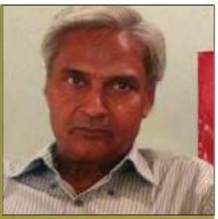

راشد جمال فاروقی

چلتا پھرتا پھول ہے تتلی

چلتا پھرتا پھول ہے تتلی
کس درجہ مشغول ہے تتلی
خود کو دیکھے تو پہچانے
پہچانے تو سچ کو مانے
سب پھولوں سے پیاری ہے وہ
ہر غنچے سے نیاری ہے وہ
رنگ و بو کی دیوانی ہے
گلشن گلشن کی رانی ہے
پھولوں سے یارانہ اس کا
مشکل ہاتھ میں آنا اس کا
پکڑو مت اڑتے رہنے دو
اِدھر اُدھر مڑتے رہنے دو
کیاری کیاری اسے پکارے
نرگس نرگس اسے نہارے
کانٹوں سے دامن کو بچاتی
نازک کلیوں پر منڈلاتی
پھول کے کانوں میں سرگوشی
بانٹتی پھرتی ہے مدہوشی
چلتا پھرتا پھول ہے تتلی
کس درجہ مشغول ہے تتلی

■

Rashid Jamal Farooqui
C-6, Thokar No.: 8
Shaheen Bagh
New Delhi- 110025

ابواللیث جاوید

ایک عرض

کروں ابتدا لے کے اللہ کا نام ۔۔۔ سبھی دوستوں کو ہمارا سلام
فقط چند باتیں ہیں کرنی مجھے ۔۔۔ پریشاں کبھی جو ہیں کرتی مجھے
بزرگوں سے سنتا ادب کی وہ بات ۔۔۔ ہوا کرتی تھی کیا غضب کی وہ بات
بزرگوں کی تعظیم کرنا تھا کام ۔۔۔ مقابل میں ان کے نہ کرتے کلام
کوئی ہو توانا یا مجبور سا ۔۔۔ محلے کا ہو یا ہو وہ دور کا
ہر اک کی نصیحت تھی ہر دم قبول ۔۔۔ عمل اس پہ کرنا تھا ان کا اصول
مگر آج ہم ہیں کہاں پہ کھڑے ۔۔۔ بے جا اَنا کے سہارے اڑے
اپنی روایت کی پروا نہیں ۔۔۔ خدا کی ہدایت کی پروا نہیں
غیروں کی تقلید، اپنا شعار ۔۔۔ اسے ہی سمجھتے ہیں بہتر معیار
خدا را ابھی سے سنبھل جاؤ تم ۔۔۔ حدودِ انا سے نکل جاؤ تم
امی و ابو کا رکھو خیال ۔۔۔ کسی بات پر نہ ہو ان کو ملال
دھیمے سے لہجے میں ہو گفتگو ۔۔۔ انداز محتاط، ہو جب روبرو
خدا سے کرو ان کے حق میں دعا ۔۔۔ جھکائے رکھو اپنے سر کو سدا
امی کے قدموں میں جنت ہے خاص ۔۔۔ جنت کی کنجی ہے ابو کے پاس

تمھاری یہ خدمت ہووے قبول
ہو تم سے وہ راضی اور اس کا رسولؐ

■

Abul Lais Javed
H-17/11, Ali Aptt.,
Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar
New Delhi- 110025
Mob.: 9873070412

فراق جلال پوری

ہمارے گرو جی

پڑھانے جب آئے ہمارے گرو جی
مثال اپنی لائے ہمارے گرو جی!
چھڑی پٹک دی جھٹ زمیں پر انھوں نے
جہاں لڑکھڑائے ہمارے گرو جی!
شرافت کی صورت، محبت کی مورت
ہر اک من کو بھائے ہمارے گرو جی
کبھی خوب بگڑے ہماری خطا پر
کبھی مسکرائے ہمارے گرو جی!
ہمیشہ ہی حق کا پڑھایا سبق!!
نہیں ڈگمگائے ہمارے گرو جی!
ہے ممکن کہاں حق کا دیپک بجھانا؟
ہیں ذہنوں پہ چھائے ہمارے گرو جی!
چلو ان کی تعظیم کو سب کھڑے ہوں
وہ آئے، وہ آئے ہمارے گرو جی
فراق آئیں جب بھی بزرگوں کی باتیں
بہت یاد آئے ہمارے گرو جی!!

■

Firaq Jalalpuri
Mohalla: Qazipura
Post: Jalalpur
Distt.: Ambedkar Nagar- 224149 (UP)
Mob.: 9758772746

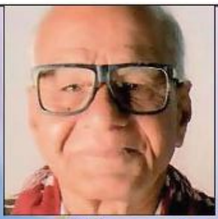

فیض رتلامی

بچے مستقبل ہیں

پیارے پیارے بچے ہمارے
مستقبل ہیں دیش کے سارے
دیکھنا اک دن یہ دھرتی پر
لے آئیں گے چاند ستارے
ان سے بڑے بوڑھے کہتے ہیں
نیند ہماری خواب تمھارے
چھوٹے بچے ہوں گے بڑے جب
سب کے کریں گے وارے نیارے
آج تو لگتے ٹھہرے پانی
کل یہ بنیں گے بہتے دھارے
جیسے جیسے بڑھتے بچے
ویسے ترقی ان کو پکارے
دیکھ کے ان کو پیار آتا ہے
چلتے پھرتے ہیں یہ نظارے
گر ان کو ماں باپ پڑھائیں
یہ نہ پھریں گے مارے مارے
بھولے بھالے فیض یہ بچے
سب کی آنکھوں کے ہیں تارے

■

Faiz Ratlami
48, Samta Nagar (Anand Colony)
Ratlam- 457001 (MP)
Mob.: 7879690200

محمد مستمر

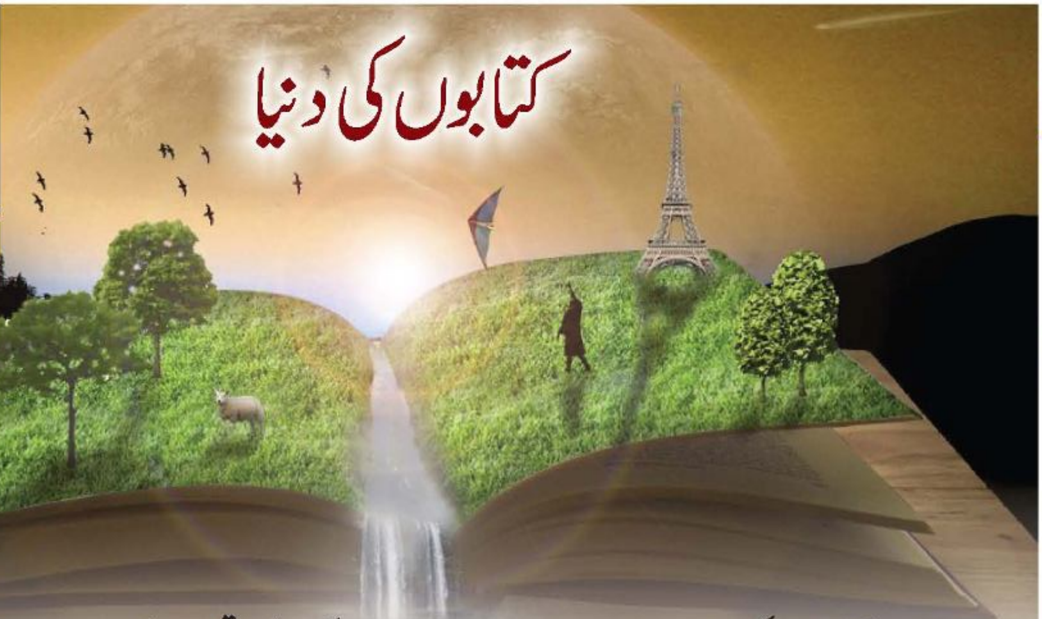

نظم

کتابوں کی دنیا

کتابوں کی دنیا اثاثہ ہے بچو!
اکیلے جہاں کا سہارا ہے بچو!

کتابوں کی دنیا خزانہ ہے انمول
انہی میں قمر اور تارا ہے بچو!

عروجِ بشر ہے کتابوں سے قائم
انہی سے یقیناً اُجالا ہے بچو!

زراعت، تجارت سکھائیں کتابیں
انہی کا جہاں پر اجارہ ہے بچو!

کتابوں کا ہے کام اچھائی دینا
نہیں کوئی ان میں خسارہ ہے بچو!

کتابوں میں جغرافیہ بھی ہے شامل
انہی میں کہ گنگا کی دھارا ہے بچو!

سکھا کر تمھیں کیمیا اور ریاضی
کتابوں نے جیون سنوارا ہے بچو!

ملیں گے یہاں تم کو یاقوت، جوہر
کتب بیچ میں ہی ایک دریا ہے بچو!

کتابیں پڑھو تم کھلونے سمجھ کر
انہی میں چھپا اک غبارہ ہے بچو!

بسے ہے کتابوں میں پھولوں سی خوشبو
کتابیں حسیں ایک صحرا ہے بچو!

ہے روشن دیا زندگی کا تمھاری
کہ ہر بک ہی کردار آرا ہے بچو!

■

Mohd Mustamir
Asst. Prof. Depf of Urdu
Zakir Husain Delhi College
Delhi University, Delhi- 110002
Mob.: 8920860709

نورانی ہارڈ ویئرس

سلیم خان

"نورانی ہارڈ ویئرس" صفدر سیٹھ نے اپنی دکان کا یہ نام اپنی والدہ نجّن کے نام پر رکھا تھا۔ جب بھی دکان کے دل کش جگمگ کرتے سائن بورڈ پر ان کی نظر پڑتی، انھیں دلی مسرت ہوتی۔ ان کی دکان کے آس پاس ہارڈ ویئرس کی چند اور بڑی عالی شان دکانیں تھیں۔ جہاں اوپن اسپیس، بائیک پارکنگ اور گاہکوں کے بیٹھنے کا معقول انتظام تھا۔ لیکن ان دکانوں کے مقابلے صفدر سیٹھ کا کاروبار دھڑلے سے چلتا تھا۔ اس بات پر سبھی دکان دار حیران تھے۔ ان کا نیا نوکر اختر لالہ بھی اکثر سوچا کرتا تھا کہ سیٹھ جی نے ایسا کیا جادو ٹونا کیا ہے کہ گاہک سیدھے ان کی دکان پر چلے آتے ہیں۔ وہ سوچتا، بہت غور کیا کرتا مگر اسے کچھ سمجھ نہیں آتا۔

تین بج رہے تھے، صفدر سیٹھ حسبِ معمول ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد گھر سے کھانا کھا کر دکان پر آ گئے تھے۔ اختر لالہ پارسل بکس کھول کر شوکیس میں نیا مال جما رہا تھا اور سیٹھ جی اپنی گدّی پر گاؤ تکیے کا ٹیک لگائے اسے ہدایت دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں انھیں سڑک پر قاسم جاتا ہوا دکھائی دیا۔ انھوں نے آواز دے کر اسے بلایا۔ قاسم نے آتے ہی انھیں بڑے ادب سے سلام کیا۔ سلام کا جواب دینے کے بعد صفدر سیٹھ نے پوچھا، "کہاں جا رہے ہو بھانجے۔!؟"

"اپنے دوست سے کتاب لینے جا رہا ہوں۔"

"امی، ابو، سب کیسے ہیں۔؟"

"جی، اللہ کا شکر ہے۔"

انھوں نے قاسم کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی اپنائیت سے پوچھا، "کھانا ہو گیا بیٹا۔؟"

"جی، ماموں جان۔"

"کیا سالن بنایا تھا امی نے آج۔؟"

قاسم نے قدرے سوچ کر جواب دیا، "آلو مٹر کی سبزی۔!"

صفدر سیٹھ نے جب اس کی طرف غور سے دیکھا تو اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "چلوں ماموں جان۔!؟"

"نہیں بیٹے، میں نے تمھیں یوں ہی نہیں بلایا، مجھے بھوک لگی ہے؛ ہم دونوں ساتھ ناشتہ کریں گے پھر تم چلے جانا۔"

"نہیں ماموں جان، آپ کھائیے۔ مجھے ہوم ورک کرنا ہے۔"

"قاسم بیٹے بڑوں کی بات نہیں ٹالتے۔"

صفدر سیٹھ نے اختر لالہ کو اشارہ کیا اور وہ سامنے کے ہوٹل سے فوراً سموسے اور جلیبی لے آیا۔ صفدر سیٹھ نے باتیں کرتے ہوئے خود بھی کھایا اور قاسم کو بھی کھلایا، اور پھر اسے جانے کی اجازت دے دی۔

قاسم کے جانے کے بعد اختر لالہ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا، "سیٹھ جی، یہ لڑکا کون تھا، اور کیا آج آپ گھر سے کھانا..." صفدر سیٹھ نے اختر لالہ کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا، "اختر میاں، تم نے پوچھ لیا تو بتا دیتا ہوں مگر یہ بات اپنے دل ہی میں رکھنا۔ یہ لڑکا میری چچا زاد بہن کا بیٹا ہے۔ اس کے ابو کو لقوہ مار گیا ہے۔ وہ چل پھر نہیں سکتے۔ یہ دو بھائی ایک بہن ہیں۔ قاسم دسویں جماعت میں پڑھ رہا ہے

اوراس کا بڑا بھائی پڑھائی کے ساتھ ساتھ ایک ہوٹل میں کام بھی کرتا ہے۔ یہ بڑے شریف اور خوددار لوگ ہیں۔فاقہ کر لیتے ہیں، لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ میں کسی نہ کسی طرح ان کی مدد کرنے کی کوشش کیا کرتا ہوں۔

''مگر سیٹھ جی، آپ کو کیسے معلوم کہ آج ان کے یہاں کھانا نہیں بنا۔!؟''

اختر میاں، یہ لوگ ہمارے مکان کے قریب ہی رہتے ہیں۔ میں اکثر سالن بھجوا کر ان کے یہاں کا سالن منگواتا ہوں، میری بیگم نے خالدہ باجی (قاسم کی امی) کو یہ کہہ رکھا ہے کہ آپ کے بھائی جان کو آپ کے ہاتھ کی بنی ترکاری بہت اچھی لگتی ہے۔ وہ خوشی خوشی یہ لین دین کرتی ہیں اوراس بہانے ہم اکثر ان کے یہاں کھانا بھجواتے ہیں۔آج بچی سالن دے آئی ،مگران کے یہاں کا سالن نہیں آیا۔خالدہ باجی نے کہلا بھیجا کہ ابو سے کہنا سالن ختم ہو گیا ہے۔''اور میں سمجھ گیا کہ آج ان کے یہاں کھانا نہیں بنا ہوگا ،اوراس بچے کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے یہ ڈراما کرنا پڑا۔

اس سے پہلے کہ اختر لالہ کچھ کہتا دکان پر گاہک آ گئے اور وہ دونوں لین دین میں لگ گئے۔اسی اثنا میں ایک اپاہج بزرگ برقع پوش خاتون کے ساتھ حاضر ہوئے۔انھوں نے صفدر سیٹھ کو مودبانہ سلام عرض کیا۔ جواب دینے کے بعد سیٹھ جی نے انھیں سامنے رکھے بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

گاہکوں کو نمٹانے کے بعد صفدر سیٹھ بزرگ سے مخاطب ہوئے،''فرمایئے حضرت کیا حکم ہے۔!؟''

''حکم نہیں محترم ،التجا ہے آپ سے۔''

''جی فرمایئے۔''صفدر سیٹھ نے نرمی سے پوچھا۔

''سیٹھ جی ہم قصبہ رسول آباد سے آئے ہیں۔میرے ساتھ یہ بیوہ خاتون میری بہن ہے۔ان کی بیٹی کی شادی ہے۔کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں۔ جو ہو سکے اللہ کے نام پر مدد کر دیجیے۔''

''ٹھیک ہے، پہلے یہ بتایئے کہ آپ کو ہمارا پتہ کس نے بتایا۔''

بزرگ نے عاجزی سے جواب دیا،''سیٹھ جی، بس یوں سمجھ لیجیے اللہ تعالیٰ نے بتادیا،

''کیا کہا، میں سمجھا نہیں !؟''

بزرگ نے مسکرا کر جواب دیا،''میرا مطلب ہے،ہم ادھر سے گزر رہے تھے،اچانک آپ کی دکان کے سائن بورڈ پر نظر پڑی اور دل میں خیال آیا کہ یہاں سے ضرور کچھ نہ کچھ امداد ملے گی،سیٹھ جی ہم پیشہ ور لوگ نہیں ہیں؛ضرورت مند ہیں۔''

بزرگ کی سیدھی سچی باتیں سن کر صفدر سیٹھ بے حد متاثر ہوئے۔انھوں نے چائے پانی سے ان کی مہمان نوازی کی اور پھر دو ہزار کا گلابی نوٹ خاموشی سے بزرگ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اللہ آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے''

بزرگ اور بیوہ خاتون دعائیں دیتے ہوئے دکان سے باہر نکل رہے تھے اور دو تین گاہک دکان میں داخل ہو رہے تھے۔

شام کا ڈھلتا سورج نورانی ہارڈ ویئرس پر اپنی سنہری کرنیں لٹا رہا تھا اور صفدر سیٹھ دکان کے ایک گوشے میں عصر کی نماز ادا کر رہے تھے۔

آج کے دونوں واقعات دیکھ کر اختر لالہ سمجھ گیا تھا کہ سیٹھ جی نے کوئی جادو ٹونا نہیں کیا ہے بلکہ یہ سب ان کی خدا پرستی اور نیک اعمال کی خیر و برکت ہے۔!!

■

Saleem Khan Ismail Khan
Millat Nagar Faizpur
Distt.: Jalgaon - 425503 (Maharashtra)
Mob.: 09730573897

اور بلّا گھوم گیا

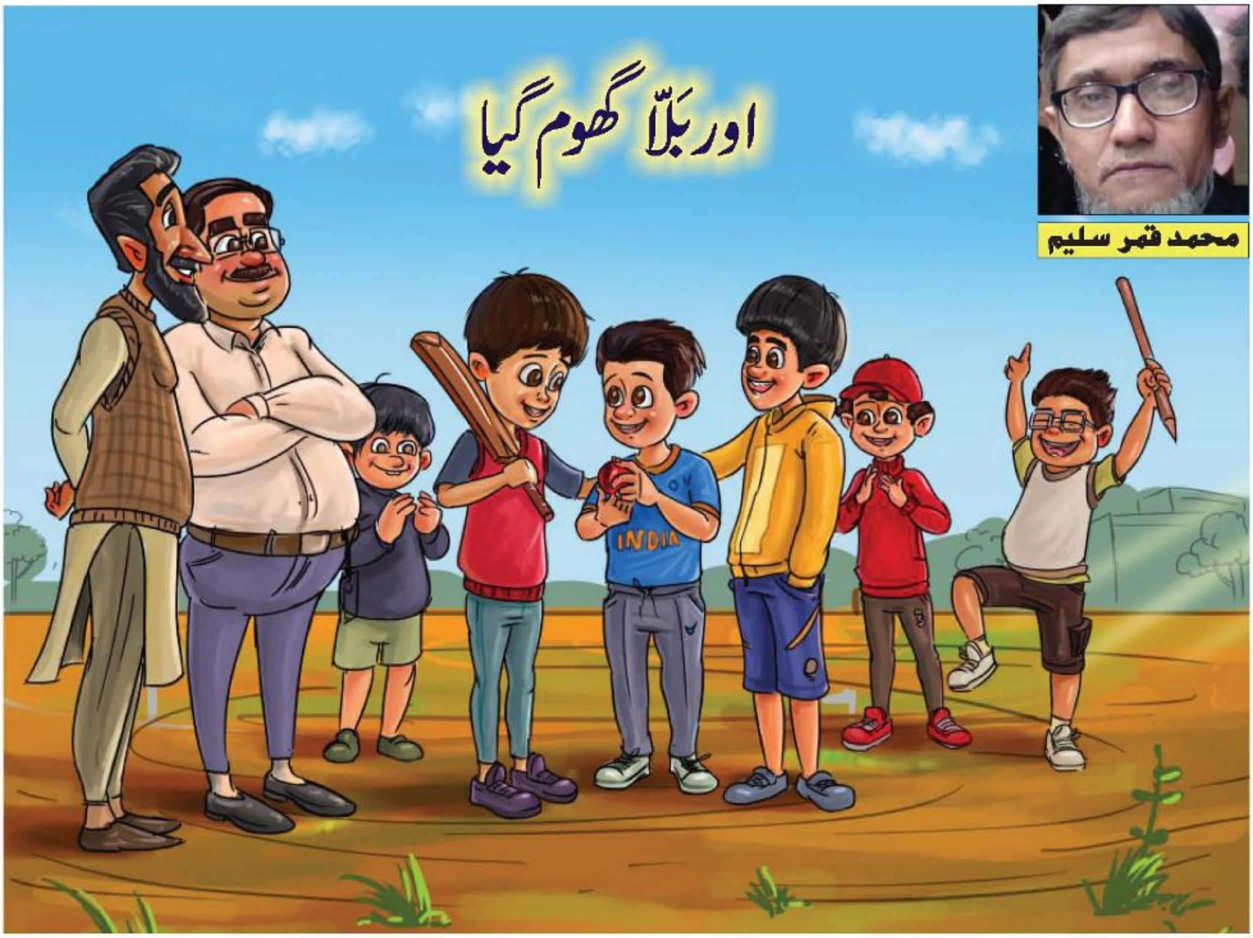

محمد قمر سلیم

بچو! آج کل تو آپ لوگ زیادہ تر موبائل پر ہی گیم کھیلتے رہتے ہیں۔ ہاں کچھ بچے کرکٹ، بیڈمنٹن، ٹینس، فٹ بال کھیلتے ہوئے بھی ضرور نظر آجاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ پرانے کھیل ختم ہوتے جارہے ہیں۔ اب سے پندرہ بیس سال پہلے تک بچے گھروں میں اور گھر سے باہر گلی کوچوں اور میدانوں میں طرح طرح کے کھیل کھیلتے تھے جیسے گٹّی چھپانا، سُمن پری، تنگڑی، کھوکھو، اندھا بھینسا، چور سپاہی، لٹّو، کنچا گولی، گلّی ڈنڈا، سائیکل پہیّا دوڑ، کبڈّی، ہاکی، بیڈمنٹن، کرکٹ وغیرہ۔ اب تو تقریباً ہر بچے کے پاس موبائل ہے اور جب بھی وقت ملتا ہے موبائل پر گیم کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ آج کل تو زیادہ تر بچے آن لائن گیم کھیلنے لگے ہیں جو بہت خطرناک اور نقصان دہ ہے۔ موبائل، آن لائن اور دوسرے سائنسی ایجادات والے کھیلوں کی وجہ سے ہمارے دیسی کھیل ختم ہوتے جارہے ہیں۔

اس کے باوجود ان کھیلوں میں، تین کھیل ایسے ہیں جو بچے برسوں سے کھیلتے چلے آرہے ہیں۔ ایک بیڈمنٹن، دوسرا فٹ بال اور تیسرا کرکٹ۔ ان تینوں کھیلوں کے کھیلنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ جہاں تھوڑی سی جگہ ملی، اب وہ جگہ گھر میں ہو یا سڑک پر، کھیل کا تھوڑا سا ساز و سامان ملا اور بس کھیل شروع۔ بیڈمنٹن کے لیے دو ریکٹ اور ایک شٹل کاک، فٹ بال کے لیے ایک بڑے سائز کی گیند، گول پوسٹ بنانے کے لیے چار اینٹیں کافی ہیں اور کرکٹ کے لیے صرف بلّا اور گیند۔ وکٹ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے کیوں کہ دیوار وکٹ بن جاتی ہے یا دو چار اینٹیں لاکر وکٹ کی عمارت کھڑی کر دی جاتی ہے۔ دوسری طرف صرف لکیر کھینچ کر کام چل جاتا ہے۔

اتنا ہوا نہیں کہ کرکٹ شروع۔ کرکٹ میں رن لینے اور آؤٹ کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ بس کھیلنے سے پہلے طے کر لیا جاتا تھا کہ سامنے والی دیوار یا پیڑ پر شارٹ لگا تو چوکا اور اگر گیند زمین پر گرنے کے بجائے دیوار پر لگی تو چھکا۔ آس پاس کی دیوار پر لگی تو دو رن اور بھاگ کر بھی رن لیے جاتے تھے۔ اگر پڑوسی کے گھر گیند چلی گئی تو آؤٹ تو ہوتے ہی تھے شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ جس نے شارٹ مارا وہی گیند لے کر آئے گا یعنی بلے باز کو پٹوانے کی پوری تیاری کر لی جاتی تھی۔

نصیر اور امجد کرکٹ کے بہت شوقین تھے۔ امجد نصیر سے چھوٹا تھا اور کرکٹ کے شوق کی وجہ سے وہ نصیر کا دُم چھلّا بنا رہتا تھا۔ نصیر پر وہ جاسوسوں والی نظر رکھتا تھا۔ نصیر ہلتا اور امجد چوکنا ہو جاتا تھا۔ یوں تو کرکٹ گھر میں ہی ہوتا تھا۔ عام طور سے وہ لوگ کرکٹ اپنے والد صاحب کی غیر موجودگی میں ہی کھیلتے تھے، لیکن جب والد صاحب گھر پر ہوتے تو باہر کا راستہ دیکھتے تھے۔ گھر کے پاس ہی ایک میدان تھا، میدان سے ملی ہوئی جمنا ندی اور جمنا ندی کی وجہ سے میدان ریت سے بھرا رہتا تھا۔ اکثر نصیر سب سے نظریں بچا کر باہر میدان میں کھیلنے چلا جاتا تھا، لیکن امجد تاڑ لیتا تھا۔ پھر وہ نصیر بھائی کی تلاش میں باہر نکل جاتا تھا۔ کھیل گھر میں ہو یا باہر امجد پر کوئی اصول نہیں چلتا تھا۔ پورے کھیل کا دارومدار اس کے موڈ پر ہوتا تھا۔ اگر موڈ اچھا ہے تو سب اچھا اور موڈ ٹھیک نہیں تو کچھ ٹھیک نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب کھیل شروع ہوتا تھا تو اسے سب سے آخر میں بلے بازی دی جاتی تھی اور گیند بازی میں بھی اس کا نمبر آخری ہی رہتا تھا۔ اگر موڈ خراب ہے تو بلے بازی کی شروعات وہی کرتا تھا اور گیند بازی بھی۔ اب یہ امجد کے اوپر رہتا تھا کہ وہ آؤٹ ہو گا یا نہیں۔ کسی کی مجال کہ اسے آؤٹ کر دے اور اگر کسی نے جرأت کی تو اس کی خیر نہیں، امجد کا بلّا گھوم جاتا تھا۔ سارے بچے اس کی خوشامد میں لگ جاتے تھے اور پھر امجد ان کی خوشامد کے آگے جھکتے ہوئے کہتا، 'اچھا، بس دو بال اور کھیلوں گا، اس طرح دو بال کرتے کرتے کتنے اوور کھیل جاتا تھا کسی کو خبر نہیں رہتی تھی۔

یہ سب کچھ اس وقت تک اچھی طرح چلتا تھا جب تک نصیر کو غصہ نہیں آتا تھا۔ اور اگر نصیر کو غصہ آ گیا تو سمجھو غضب ہو جاتا تھا۔ اور پھر مہا بھارت شروع۔ نتیجتاً امجد روتا ہوا دھمکی دے کر جاتا کہ ابو سے کہوں گا اور پھر دن بھر اس کا موڈ خراب رہتا تھا۔ اب جب امجد کا موڈ خراب تو دوسرے بچوں کو کھیلنے کو نہیں ملتا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ پریشانی نصیر کو ہوتی تھی۔ وہ خود کرکٹ کا دیوانہ، راہیں تلاش کرتا تھا کہ کیسے کرکٹ کھیلا جائے۔

پچھلے دن کی امجد اور نصیر کی مہا بھارت اگر ہلکی پھلکی ہوتی تو خوشامد سے کام چل جاتا تھا اور اگر خوب زبردست تیر چلے تو پھر خوشامد سے کام نہیں چلتا تھا جس کی وجہ سے کھیل گھر پر نہیں ہو پاتا تھا۔ اس صورت میں نصیر باہر کا ہی راستہ ناپتا تھا۔ ویسے بھی گھر کے آنگن کی دیواریں چھوٹی تھیں۔ باہر کا میدان صاف نظر آتا تھا اور میدان میں کھیلتے ہوئے بچے۔ اب ظاہر سی بات ہے گھر میں کرکٹ نہیں تو نصیر دیکھ دیکھ کر للچاتا رہتا تھا اور موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ جیسے ہی موقع ملا نصیر میدان میں، لیکن امجد کی جاسوس نظروں سے نہیں بچ پاتا تھا۔ پھر کیا اگر نصیر باہر جائے اور امجد نہ جائے یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ بس امجد نے بھی موقع دیکھا اور باہر نکلا۔ اگر کسی نے انھیں دیکھ لیا اور کہا، 'امجد کہاں جا رہے ہو۔'

فوراً کہتا، 'نصیر بھائی کو بلانے جا رہا ہوں۔' اور دروازے سے باہر۔

میدان پر جاتے ہی چلّاتا، 'نصیر بھائی ابو بلا رہے ہیں۔'

لیکن نصیران کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا۔ جب بہت دیر ہوجاتی اور امجد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا تو وہ بیچ میدان میں پچ پر جا کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اسے میدان سے ہٹانے کے لیے خوشامدوں کا دور شروع ہوجاتا اور سارے بچے خوشامد میں لگ جاتے۔ اس کی خوشامد میں جس کی جو سمجھ میں آتا وہ کہنا شروع کر دیتا، امجد کی تعریفوں کے پل بندھنا شروع، 'امجد پلیز میرے بھائی، امجد تو بہت پیارا بچہ ہے، امجد سے اچھا تو کوئی بھی نہیں ہے، امجد گانا بہت اچھا گاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔' مگر کوئی بھی اسے کھلانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اور بھی بڑا سر درد تھا۔ وہ کبھی آؤٹ ہی نہیں ہوتا تھا۔ نصیر اس کو بڑی مشکل سے بہلاتا اور اسے میدان میں پڑی ہوئی ریت سے کوئی شے بنانے کے لیے تیار کر لیتا۔ اس میں کم سے کم ایک ڈیڑھ گھنٹہ آرام سے چلا جاتا تھا۔

امجد گانا گاتا رہتا اور ریت سے کچھ بھی بناتا رہتا اور ادھر میدان پر نصیر کا کرکٹ بہت آرام سے چلتا رہتا۔ گھر آتے ہی نصیر پر ڈانٹ پڑتی، لیکن امجد بچ جاتا تھا۔ مزے لینے کے لیے کبھی کبھی کوئی امجد سے کہہ دیتا، 'تم وہاں کیا کر رہے تھے، تم بھی تو کھیل رہے تھے۔'

امجد کا جواب ہوتا، 'نصیر بھائی نہیں آ رہے تھے تو میں کیا کرتا۔'

اس کا بھائی کہتا، 'تم نصیر کو چھوڑ کر آ جاتے، نصیر کی آڑ میں خود بھی کھیل رہے تھے۔' بس پھر کیا تھا امجد کا بلاّ گھومتا، اب کہاں لگ رہا ہے، کس جگہ لگ رہا ہے، وہ یا تو امجد جانتا تھا یا لگنے والا ہی جانتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے امجد طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اسکول نہیں گیا، لیکن وہ اپنی امی سے نظریں بچا کر گھر کے باہر میدان میں چلا گیا اور ریت سے کھیلنے لگا۔ کھیلتے کھیلتے اچانک وہ گر پڑا۔ ڈاکٹر کو دکھانے پر معلوم ہوا کہ اس پر فالج کا اثر ہو گیا ہے۔ بس اس دن سے امجد نے کھیلنا بند کر دیا۔ دوسرے بچوں نے بھی کھیل میں دلچسپی لینا بند کر دی۔ اب وہ کبھی کبھی ہی کرکٹ کھیلنے جاتے تھے۔ اس کے بھائی نصیر نے تو اس کے بنا کھیلنا ہی چھوڑ دیا۔ وہ کہتا تھا اب وہ اسی وقت کھیلے گا جب امجد کھیلنا شروع کرے گا۔

وہ سب بچے امجد کا بہت خیال رکھنے لگے۔ نصیر کے ساتھ ساتھ دوسرے بچوں نے بھی امجد کی بہت ہمت افزائی کی۔ ہر وقت سارے بچے امجد کو دلاسہ دیتے رہتے۔ کوئی اس کے ہاتھ پیروں کی مالش کرتا تو کوئی اس کے لیے تازہ تازہ پھل لے کر آتا۔ اس کی چھوٹی بڑی سب ضرورتوں کو پورا کرتے۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی اس کے پاس رہتا اور اس کا دل بہلاتا رہتا۔ ہر بچہ اپنے اپنے طریقے سے امجد کی ہمت افزائی کرتا رہتا تھا۔ ان کی محنت رنگ لائی۔ آہستہ آہستہ امجد اچھا ہونے لگا، پھر سب لوگوں نے امجد کے ساتھ کرکٹ کھیلنا شروع کر دیا۔ امجد ان سب کی محبت دیکھ کر دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ وہ سب اس کے ساتھ کتنا اچھا برتاؤ کر رہے ہیں اور وہ ان لوگوں کے ساتھ ہمیشہ لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔ اس نے رو رو کر سب سے معافی مانگی۔ اس نے ضد کرنا چھوڑ دیا اور وہ سب کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اپنانے لگا۔ اسے اب کرکٹ کھیلنے میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔ وہ سب لوگوں کے ساتھ خوب ہنسی مذاق کرنے لگا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے بھی ماننے لگا یہی وجہ تھی کہ وہ ایک اچھا کرکٹر بن گیا۔

■

Mohd Qamar Saleem
A-47, Zakir Bagh, Okhla Road
New Delhi- 110025
Mob.: 9322645061

شیخ چلی درزی اور پریاں

پرویز شہریار

ایک درزی تھا۔ وہ دن رات کام کیا کرتا تھا۔ پھر بھی اس کا کام کبھی ختم نہیں ہوتا تھا۔ اس کے چار بچے تھے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ وہ ان کی بھی پرورش کرتا اور دکان میں گاہکوں کی خدمت بھی انجام دیا کرتا تھا۔

اس کے ہر قسم کے گاہک تھے۔ کچھ تو بہت خوش ہو کر جاتے اور کچھ ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وقت مقررہ پر لوگوں کے کپڑے سل کر دینے میں ناکام ہو جاتا تھا۔

گھر پر اس کی بیوی ہر وقت کام میں لگی رہتی تھی۔ بچے کو اسکول جانا ہوتو وہ اپنی سائیکل پر بٹھا کر اسے اسکول چھوڑتا تھا۔ کبھی کسی بچے کی طبیعت خراب ہوگئی ہوتو وہ اسے اپنی سائیکل میں بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے لے جایا کرتا تھا۔ واپسی میں گھر کے سامان، سودے، سلف اور سبزی گوشت بھی وہی لایا کرتا تھا۔ غرض یہ کہ وہ دن رات محنت کرتا تھا۔

ویسے تو وہ بہت ایماندار تھا، لیکن اس کے اندر صرف ایک کمی تھی۔ وہ اپنے وعدے پورے نہیں کر پاتا تھا۔ اس کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی وہ اپنے گاہکوں کو وقت پر کپڑے سلائی کر کے نہیں دے پاتا تھا۔

جب کوئی گاہک زیادہ ناراض ہوتا تو وہ جھوٹ موٹ کہہ دیتا کہ آپ کا کپڑا تیار ہے، بس قمیض میں بٹن ٹانکنے رہ گئے ہیں۔ کسی سے معاملہ رفع دفع کرنے کے لیے کہہ دیتا کہ کپڑے تیار ہیں، بس کاج بن رہا ہے۔ اگر کوئی گاہک زیادہ ناراض ہوتا تو وہ کہہ دیتا۔ بس ابھی ابھی مشین کی سوئی ٹوٹ گئی، ورنہ آپ کی پتلون تیار ملتی۔ جناب کل آ کر لے لیجیے گا۔ وہ کل آج اور کل میں ٹلتا رہتا اور کبھی نہ آتا۔

عید اور بقرعید کے موقع پر تو سمجھو اس کی شامت آ جاتی تھی۔ اس پر تو جیسے، آفتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا تھا۔

اس کی بیوی اکثر کہا کرتی اگر تم سے یہ کام نہیں ہوسکتا تو کوئی دوسرا کام کیوں نہیں کر لیتے۔ لیکن وہ بڑی معصومیت سے کہتا۔ ”مجھے اس کے علاوہ کچھ آتا بھی تو نہیں ہے، میں کیا کروں؟ میرے باپ نے جو کام مجھے سکھایا تھا، بس اس کے علاوہ مجھے کوئی دوسرا ہنر بھی تو نہیں آتا وہ بہت بے بس ہو کر کہتا۔

”میں کیا کروں۔“

اس کی ان حرکتوں کو دو پریاں دیکھا کرتی تھیں۔ وہ اس کی دکان کے سامنے والے بکائن کے ایک پرانے درخت کے تنے میں رہتی تھیں۔ ان سے شیخ چلی کی یہ بے بسی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ بڑی پری چھوٹی پری سے کہتی۔

”جاؤ اور جا کر اس کے کاموں میں ہاتھ بٹا دو۔“

چھوٹی پری فوراً جواب دیتی ”مجھے اس سے چڑھ ہے، وہ ہر کسی سے جھوٹ کیوں بولتا ہے۔“

لیکن بڑی پری اسے سمجھاتی دیکھو۔ اس بے چارے کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ وہ گھر اور دکان دونوں جگہ ایمانداری اور محنت سے دن رات کام کیا کرتا ہے۔ اس کی

مجبوری تو سمجھو وہ لوگوں کے غصے اور جھگڑے سے بچنے کے لیے بہانے بنا دیا کرتا ہے۔ چھوٹی پری اپنی بڑی بہن کی بات سن کر کچھ نرم پڑ جاتی تھی۔

شیخ چلی درزی کی گردن پر ہر وقت انچی ٹیپ والا فیتہ لٹکا رہتا تھا۔ اس کا قد بہت چھوٹا تھا۔ وہ سفید قمیض اور اچکن پہنا کرتا تھا اور اس کے گول سے انڈے نما چہرے پر اس کی چھوٹی سی سفید داڑھی بیا کے گھونسلے جیسی لگتی تھی۔ اس کا چشمہ کھسک کر ناک پر ٹکا رہتا تھا۔ جب کوئی گاہک اپنے کپڑے سلنے کے لیے دیتا تو شیخ چلی، جھٹ سے ٹول کے اوپر چڑھ کے اس کے کالر، تیرا اور آستین کا ناپ لینے لگتا تھا۔ وہ اس کام میں بڑا ماہر تھا اور بہت ہی پھرتی کے ساتھ ٹول گھسیٹ گھسیٹ کر اس پر چڑھ جاتا اور ناپ لے کر نیچے اترتا اور اپنی کاپی پر پنسل سے لکھتا جاتا تھا۔

یہ سب دیکھ کر چھوٹی پری کو ہنسی آجاتی تھی۔ وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے، عید الفطر کے موقع پر کام کچھ زیادہ ہی آ گیا۔ شیخ چلی درزی کی دکان میں کپڑوں اور کترنوں کا انبار لگ گیا۔ کئی دنوں سے لگاتار کام کرتے رہنے کی وجہ سے شیخ چلی کو تیز بخار چڑھ گیا۔ گاہک آتے اور کپڑا وقت مقرر پر نہ ملنے کی وجہ سے اسے کھری کھوٹی سنا جاتے اور وہ بے چارا بہانے بنا بنا کر تھک چکا تھا۔

ایک رات دیر تک کام کرنے کی وجہ سے وہ گھر بھی نہ جا سکا اور وہیں دکان میں اسے نیند آ گئی۔ اس کے چاروں طرف کپڑوں کے کترن کے انبار پڑے تھے، رنگ برنگے دھاگوں کے جال میں اس کا جسم الجھا پڑا تھا۔ یہ دیکھ دونوں پریاں بہت پریشان ہو گئیں۔ اب کیا ہوگا؟ کوئی چور اچکا دکان کھلی دیکھ کر راتوں رات کپڑے چرا لے جائے گا۔ وہ اسی کشمکش میں جاگتی رہ گئیں۔ وہ بہت غمگین ہو گئیں۔ تبھی انھیں خیال آیا کہ اگر گاہک کو وقت پر کپڑے نہیں ملیں گے تو لوگ عید کس طرح منائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ گاہک غصے میں آ کر اس کا پیٹ پیٹ کر برا حال کر دیں۔ پھر تو اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھوکے مر جائیں گے۔ یہ سب سوچ کر دونوں پریوں نے اس کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بڑی پری نے چھوٹی پری سے کہا ''تو یہیں رک۔ میں اس کے کپڑے سل کر آتی ہوں۔'' چھوٹی پری نے کہا۔ ''ہاں! ہاں! میں بھی آتی ہوں۔ تم پیمائش کے مطابق کپڑے کاٹ کر دیتی جانا اور میں انھیں مشین پر سلائی کرتی جاؤں گی۔'' پریوں نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا اور مسکرا کر اپنے اپنے کاموں میں لگ گئیں۔

صبح جب شیخ چلی درزی کی آنکھ کھلی تو وہ اپنی سجی دھجی دکان دیکھ کر ایک دم حیران رہ گیا۔ لوگ باگ آ رہے تھے اور اپنے سلیقے سے سلے ہوئے کپڑے لے کر خوشی خوشی جا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شیخ چلی درزی کی تجوری روپیوں سے بھر گئی اور وہ کھلی آنکھوں سے سپنے دیکھنے لگا۔ وہ اپنے بچوں کو بغل میں دبا کر آسمان پر بادلوں کے سنگ اوپر ہی اوپر اڑ رہا تھا۔ بچے اس کی بغلوں میں گدگدی کر رہے تھے اور وہ ہنستا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس کی متواتر ہنسی کو دیکھ کر پریوں کو بھی ہنسی آ گئی۔

دیکھا، بچو!

''محنت اور ایمانداری کے کاموں میں غیب سے بھی مدد مل جاتی ہے۔''

(تعارف ستمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Dr Perwaiz Shaharyar
Holding No. 6/234-A, Flat No. 201, Akhtar Manzil, Ghaffar Manzil, Jamia Nagar
New Delhi-110025
Mob.: 9910782964

نیلوفر سعدیہ

الزام

میں تو آج اپنے ابو کے ساتھ کنزہ آپی کے نکاح کے لیے کپڑے خریدنے جارہی ہوں، ہر فنکشن کے لیے الگ الگ کپڑے لوں گی۔‘‘ روفی حیا سے کہہ رہی تھی۔ دونوں اسکول سے گھر لوٹ رہے تھے اور ساتھ ہی اپنی پھوپھی جان کی بیٹی کنزہ کے نکاح کے بارے میں باتیں کررہی تھیں۔ روفی حیا کی چچازاد بہن تھی، دونوں ایک ہی جماعت میں پڑھتی تھیں۔ دونوں ایک ساتھ اسکول جاتی تھیں۔ البتہ ایسا نہیں تھا کہ دونوں بہت اچھی دوست تھیں۔ روفی ہمیشہ کسی نہ کسی ذریعے حیا کے سامنے اپنی امیری ظاہر کرتی، کبھی کپڑے، کبھی جوتے، تو کبھی اپنے اسکول بیگ کو لے کر یا کبھی اپنی زائد پاکٹ منی کو لے کر اس سے اپنا اور اپنے امی ابو کا امیر ہونا ظاہر کرتی۔

حیا ایسے وقت چپ ہوجایا کرتی، البتہ اسے روفی کی باتوں کا بہت برا لگتا مگر وہ سب کچھ ضبط کرلیتی کیونکہ وہ اس کی بہن تھی۔

’’میں کپڑے نہیں خرید رہی، امی نے کہا کہ عید کے کپڑے ہی پہن لینا۔‘‘ حیا نے معصومیت سے کہا۔

’’کیا؟... تم نئے کپڑے نہیں لوگی؟‘‘ وہ چونک کر بولی۔ تو حیا نے کہا:

’’نہیں، میں عید کا ڈریس ہی پہن لوں گی۔‘‘

’’تم عید کا ڈریس پہنوگی؟ وہ کتنا خراب ہے اتنا پرانا۔‘‘

روفی منہ بنا کر بولی، تو حیا چپ سی ہوگئی...

’’میں نئے کپڑے لوں گی ہر فنکشن کے لیے بہت مہنگے اور پیارے کپڑے لوں گی۔‘‘ حیا حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ گھر پر آنے کے بعد اس سے رہا نہیں گیا۔ اس نے اپنی امی خدیجہ بی کو ساری بات بتائی تو انھوں نے حیا کو پیار سے سمجھایا۔ ’’بیٹے حیا وہ ساری باتیں دل سے مت لگانا، روفی نادان ہے، ناسمجھی میں بول گئی ہوگی۔ تم تو میری سمجھدار اور عقلمند بیٹی ہونا؟‘‘

حیا نے اثبات میں سر ہلایا... اور بولی۔

’’مگر امی میرے عید کے کپڑے برے نہیں ہیں نا؟‘‘

’’نہیں بیٹا، تمھارے عید کے کپڑے بہت ہی پیارے ہیں۔ دیکھنا تم کتنی پیاری لگوگی کنزہ کے نکاح پر۔‘‘

اپنی امی کی بات پر حیا مسکرائی اور ہوم ورک کرنے چلی گئی۔ کچھ دنوں بعد کنزہ کی شادی کی تقریبات شروع ہوگئیں۔

سارا گھر مہمانوں سے بھر گیا، چاروں طرف خوشی کا ماحول تھا۔ مہمانوں کی آمد سے گھر کی خوش حالی میں چار چاند لگ گئے تھے۔ روفی اور حیا کنزہ سے ملنے گئیں۔

''السلام علیکم کنزہ آپی'' حیا نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام... کیسے ہو دونوں؟'' کنزہ نے کہا تو حیا بولی۔

''ہم خیریت سے ہیں آپی، آپ کیسی ہو؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں اب بس منہدی لگوانے والی تھی۔''

''مجھے بھی منہدی لگوانی ہے۔'' روفی بولی۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں ہم سب منہدی لگوائیں گے... چلو''

کنزہ ہاتھ دھونے کے لیے واش بیسن پر گئی، ہاتھ دھونے سے پہلے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کنگن اتارے جو سونے کے تھے، کنگن اتار کر اس نے واش بیسن پر رکھا اور ہاتھ دھونے لگی تب اچانک سے پورے گھر کی بجلی چلی گئی۔ کنزہ ڈر کے مارے زور سے چیخی، اس کی امی اس کی چیخ سن کر اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آئیں اور اسے وہاں سے لے گئیں... کنزہ اپنے سونے کے کنگن وہیں پر بھول گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد بجلی آ گئی۔

کنزہ کو منہدی لگ جانے کے بعد سب لڑکیاں کنزہ کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، تب کنزہ بولی:

''حیا کہیں نظر نہیں آ رہی۔''

''وہ اپنی منہدی دھونے واش روم گئی ہوگی۔'' روفی نے کہا۔

واش روم سے کنزہ کو اس کے کنگن یاد آئے، وہ گھبرا کر بولی۔

''میرے کنگن... میں نے واش بیسن پر رکھے تھے میں وہاں رکھ کر بھول گئی... روفی جاؤ جلدی میری امی کو بلا لاؤ...''

وہ گھبراتے ہوئے بولی، روفی جا کر کنزہ کی امی کو بلا کر لے آئی۔ کنزہ نے کنگن والی بات بتائی تو اس کی امی ڈر گئیں اور جلدی سے جا کر واش بیسن کو دیکھا تو وہاں حیا اپنی منہدی دھو رہی تھی۔ کنزہ کی امی نے واش بیسن کو دیکھا وہاں پر کنگن نہیں تھے وہ بے حد پریشان ہوئی۔

''حیا... تم نے کنزہ کے کنگن دیکھے ہیں۔ یہاں واش بیسن پر؟''

''نہیں پھوپھی میں کب سے ادھر ہی کھڑی منہدی دھو رہی ہوں یہاں پر کوئی کنگن نہیں دیکھا میں نے...''

کنزہ اور روفی بھی وہاں آ گئے... کنزہ کی امی نے کہا۔

''تم اتنی لاپرواہ کیسے ہو سکتی ہو کنزہ، سونے کے کنگن تم نے شادی کے گھر میں ایسے اتنے مہمانوں کے رہتے واش بیسن پر رکھ کر چھوڑ دیے... یہاں نہیں ہیں تمھارے کنگن...''

کنزہ دم بخود رہ گئی... اور چاروں طرف کنگن تلاش کرنے لگی۔ مگر اسے کنگن کہیں نہیں ملے۔ وہ رونے لگی۔

''کنزہ آپی چپ ہو جائیے روئیے مت ہم مل کر آپ کے کنگن ڈھونڈتے ہیں'' حیا پیار سے بولی۔

''ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے، کنگن تم نے ہی چرائے ہیں حیا۔''

روفی نے کہا تو حیا سر دسی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔''

''روفی میں نے نہیں چرائے آپی کے کنگن۔ تم ایسے جھوٹ کیوں کہہ رہی ہو۔'' حیا گھبرا کر بولی تو روفی نے جھٹ سے کہا۔

''میں جھوٹ نہیں کہہ رہی تم کہہ رہی ہو۔ تم ہی پورے مہمانوں میں سب سے غریب ہو، اس کا مطلب تم ہی چور ہو۔''

کنزہ کی امی نے کہا۔

''حیا سچ سچ کہو کیا تم نے۔'' وہ رک گئی۔

''پھوپھی آپ بھی مجھے چور کہہ رہی ہیں؟''

''حیا اگر تم نے سچ میں کنگن لیے ہیں تو مجھے دے دو میں کچھ نہیں کہوں گی۔''

حیا کے آنسو بے اختیار گرنے لگے۔

''میں نے چوری نہیں کی پھوپھی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''دیکھو سیدھے سیدھے کہہ دو کہ کنگن یہاں ہے ورنہ تمھاری امی سے کہہ دوں گی۔'' کنزہ کی امی نے کہا۔ یہ سن کر روفی بولی۔

''میں ہی اس کی امی کو بلا کر لاتی ہوں۔'' روفی اتنا کہہ کر چلی گئی اور جا کر حیا کی امی کو بلا لائی۔ حیا کی امی حیا کو روتے دیکھ کر سوال کرنے لگیں۔

''تم رو کیوں رہی ہو بیٹا۔ کیا بات ہے۔'' یہ سنتے ہی حیا اپنی امی سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس کی امی گھبرا گئیں کہ نہ جانے کیا بات ہوگئی۔ کنزہ کی امی نے غصہ ہو کر کہا۔

''بھابھی آپ کی بیٹی نے کنزہ کے سونے کنگن چرائے ہیں۔''

حیا کی امی حیرت زدہ نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگیں۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میری بیٹی نے کوئی چوری نہیں کی، میں نے اس کی ایسی تربیت نہیں کی ہے کہ وہ کچھ چرائے۔''

''میں نے خود دیکھا ہے بھابھی۔ حیا ہی واش بیسن کے پاس آئی تھی اور کوئی نہیں۔ کنزہ واش بیسن پر کنگن رکھ کر بھول گئی...''

یہ سب سن کر حیا کی امی نے کہا۔

''تو اس سے یہ ثابت کیسے ہوگیا کہ چوری حیا نے کی ہے۔ اتنے سارے مہمانوں میں آپ نے میری بیٹی پر ہی ایسا الزام لگایا۔''

کنزہ کی امی خاموشی اختیار کر لیتی ہیں وہاں کنزہ کے ابو آ جاتے ہیں۔

''کنزہ... میں کب سے تمھیں گھر بھر میں تلاش رہا ہوں اور تم یہاں ہو۔ ضرور اپنے کھوئے ہوئے کنگن ڈھونڈنے واش بیسن پر آئی ہوگی، ہے نا۔''

سب حیران ہوگئے کہ کنزہ کے ابو کو کیسے پتا چلا کہ کنگن کھو گئے ہیں۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا ابو۔؟'' کنزہ بولی تو وہ سنجیدگی سے بولے۔

''میں یہاں ہاتھ دھونے آیا تھا، تب تمھارے کنگن واش بیسن پر پڑے دیکھے۔ تو اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ میری بیٹی اتنی لاپرواہ ہے جو ایسی قیمتیں چیزیں یہاں وہاں رکھ کر بھول جاتی ہے۔''

سب کے سب حیران رہ گئے، پھر کنزہ، اس کی امی اور روفی بے حد شرمندہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے تیر کی مانند الفاظ سے حیا کے دل کو زخمی کیا۔ کنزہ کے ابو کو حیا پر چوری کا الزام لگنے کی بات پتا چلی تو انھوں نے کنزہ کی امی کو کہا کہ وہ حیا اور اس کی امی سے معافی مانگے۔ کنزہ اپنی لاپرواہی پر شرمندہ ہوئی اور روفی نے بھی حیا سے معافی مانگی۔ حیا نے معاف بھی کر دیا مگر وہ الزام ہمیشہ اسے یاد رہے گا جو صرف اس کے غریب ہونے کے سبب اس پر لگایا گیا۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جو غریب ہو وہ چور ہو۔ زبان سے ادا ہوئے الفاظ جو کسی کے دل کو توڑ کر رکھ دیں وہ الفاظ کبھی واپس نہیں لیے جا سکتے، اس لیے سوچ سمجھ کر ان کا استعمال کرنا چاہیے۔

■

Nilofar Sadiya
Block No- 2/11, Classic Generel Store
Labour Colony, Nanded
Waghala- 431602 (Maharashtra)
Mob.: 8855009520

مختار ٹونکی

ہار جیت

سلیم اپنے کمرے میں اسکول کے سالانہ تقریری مقابلے کے لیے ذہن میں خاکہ بنا رہا تھا اور تقریر سے متعلق اشاروں کو سلسلہ وار جما رہا تھا کہ اس کا ہم جماعت اور گہرا دوست شکیل کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا ”ہیلو بھئی! سلیم میں نے کہا اس وقت کیا ہو رہا ہے؟“

”کچھ نہیں! ذرا کل کے مقابلے میں اپنی تقریر کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا ہوں۔“

”میں بھی تو اسی لیے آیا ہوں، یار سلیم! تمھارے خلاف ایک زبردست سازش ہو رہی ہے۔“ شکیل آگے جھک کر کچھ رازدارانہ لہجے میں بولا۔

”کیا مطلب؟ صاف صاف کہو۔ تم تو سدا پہیلیاں بجھاتے ہو۔“ سلیم کی آنکھوں میں فکرمندی جھلک اٹھی۔

شکیل نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے سے کہنا شروع کیا۔ ”یہ تو سب جانتے ہیں کہ تم ہمیشہ مباحثوں اور تقریری مقابلوں میں اول آتے ہو، اور یہ بھی تمھارا ریکارڈ ہے کہ اسکول کے ہر سالانہ جلسے میں بہترین مقرر کا سرٹیفکیٹ تمھیں ہی ملتا ہے۔ نازلی سے بھی تم واقف ہی ہوگے، جو لڑکیوں میں سب سے اچھی بولنے والی لڑکی مانی جاتی ہے اور ہر بار تمھارے مقابلے پر سیکنڈ آتی ہے۔“

”ہاں ہاں، وہ تو میری دوست بھی ہے، قریب ہی تو اس کا مکان ہے۔ اکثر مجھے اپنے گھر بھی بلاتی رہتی ہے۔“

”یہی تو مصیبت ہے، اب کی دفعہ لڑکیوں میں ایسی کوششیں ہو رہی ہیں کہ کسی طرح نازلی پہلا انعام حاصل کرے اور تمھیں زک پہنچائی جائے۔“

”نہیں!! ہوسکتا ہے دوسری لڑکیاں ایسا چاہتی ہوں، مگر نازلی تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”میرا بھی یہی خیال تھا لیکن اب اس کا اصل روپ بھی روشنی میں آگیا ہے۔“

”نہیں یہ جھوٹ ہے۔ آخر تمھیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟“

”مجھ سے یہ سب کچھ میری بہن شاہدہ نے کہا ہے۔ اس نے نہایت صفائی سے تمام باتیں مجھے بتا دی ہیں۔ اس کے کہنے کے مطابق پرسوں ایک گھنٹے تک لڑکیوں کے کامن روم میں اسی مسئلے پر بات چیت ہوتی رہی اور مختلف پروگرام تمھیں ہرانے کے لیے بنائے گئے۔ وہ شکیلہ ہے نا! اس نے یہ تجویز رکھی کہ جب تم تقریر کرنے کھڑے ہو تو ہوٹنگ شروع کردی جائے، جس سے تم گھبرا جاؤ اور تقریر کا تسلسل بگڑ جائے۔ مگر رضیہ نے بڑی دانائی کا ثبوت دیا اور یہ کہہ کر اس تجویز کا بائیکاٹ کر دیا کہ نازلی کے کھڑے ہونے پر لڑکے بھی اسے نہیں بخشیں گے۔ تب اسی انور جہاں نے، جس کو بندے نے فاختہ کا نام دے رکھا ہے، یہ بات اٹھائی کہ کوئی ترکیب ایسی کی جائے کہ مقابلے کے وقت تم پہنچ ہی نہ سکو۔ اس کے لیے کئی لڑکیوں نے اپنا اپنا خیال پیش کیا اور پھر ثریا کی یہ تجویز پاس ہوگئی کہ کل مقابلے سے ڈیڑھ گھنٹے پہلے نازلی تمھیں اپنے گھر بلائے گی اور جب تم وہاں سے چائے پی کر واپس لوٹو گے تو نیند اور اونگھ کی کیفیت تم پر طاری ہوگی کیونکہ نیند لانے والی گولیاں اپنا اثر دکھانا شروع کر دیں گی جو تم چائے کے ساتھ استعمال کر چکے ہوگے۔ پھر اِدھر تو نازلی ہال میں تقریر کر رہی ہوگی اور اُدھر تم خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوگے۔“

”تو کیا واقعی نازلی بھی ایسا چاہتی ہے؟“

''اب اس میں شک کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے۔ کل وہ تمھیں بلائے گی لیکن خدا کے واسطے تم ہرگز نہ جانا۔''

شکیل چلا گیا اور سلیم گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کبھی سوچتا کہ ممکن ہے شکیل نے غلط کہا ہو، نازلی ایسی اوچھی حرکت نہیں کرسکتی، کبھی خیال کرتا کہ ہوسکتا ہے۔ وہ لڑکیوں کے بہلانے پھسلانے میں آگئی ہو۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا اسے تقریری مقابلے میں حصہ لینا چاہیے؟ یا پھر چل کر نازلی کو شرمندہ کرنا چاہیے کہ اس کے اوچھے وار کا راز کھل گیا ہے؟

اسی ادھیڑ بن میں ساری رات گزر گئی صبح کو جیسا کہ شکیل نے کہا تھا۔ نازلی کا نوکر اسے بلانے آیا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ چلو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ مگر پھر نہ جانے اس کے ذہن میں کیا آیا۔ اس نے نوکر کو ایک رقعہ دیا، جس پر لکھا تھا ''نازلی مطمئن رہو میں تقریر نہیں کروں گا۔''

دو گھنٹے بعد جب وہ اسکول پہنچا تو مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔ وہ نیچی نظر کیے ہوئے چپ چاپ جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی کچھ سوالیہ، کچھ خوشی آمیز اور کچھ نفرت بھری نگاہیں اٹھیں اور پھر مقرر کی طرف مرکوز ہوگئیں۔ وقت گزرتا گیا۔ مقابلے میں شرکت کرنے والے طلبا اسٹیج پر آکر بولتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر اناؤنسر کی آواز ہال میں گونج اٹھی۔ ''اب ہمارے اسکول کے ہونہار طالب علم سلیم احمد اپنے خیالات پیش کریں گے۔'' لڑکوں کی طرف سے تالیاں بجائی گئیں اور لڑکیوں کے دل دھڑکنے لگے مگر وہ بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اسٹیج سکریٹری نے دوبارہ اس کا نام لے کر پکارا، قریب بیٹھے ہوئے شکیل نے بھی اسے اٹھنے کو کہا اور دوسرے لڑکوں نے بھی امید کے خلاف بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اسے مجبور کیا، مگر اس نے تقریر کرنے سے انکار کردیا۔ تیسری بار جب اس کا نام بولا گیا تو اس نے کھڑے ہوکر اناؤنسر کو مخاطب کیا ''میں تقریر کرنے سے معذور ہوں، آپ اگلا نام بولیے۔''

آخر کیوں؟ کھسر پھسر ہونے لگی اور لوگ اپنے اپنے قیاسی گھوڑے دوڑانے لگے اور پھر اس اعلان پر یک سو ہوکر بیٹھ گئے۔ ''اب مس نازلی اپنی تقریر پیش کریں گی۔'' لڑکیوں کے گروپ نے تالیاں بجائیں۔ لڑکوں کے چہرے اداس نظر آنے لگے۔ وہ بار بار سلیم کی طرف دیکھ رہے تھے اور یہ راز جاننا چاہتے تھے کہ اس نے انکار کیوں کردیا اور اتنی بڑی سبکی کیسے گوارا کرلی۔

نازلی خوشی اور گھبراہٹ کی ملی جلی کیفیت میں مقرر کی جگہ پر پہنچی۔ ایک نظر اس نے صاحب صدر اور جج صاحبان پر ڈالی اور پھر لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''صدر محترم! معزز حضرات... اور میر... ے ساتھیو....'' اچانک ہی اس کی نگاہیں سلیم پر پڑیں جو سر جھکا کے خاموش بیٹھا تھا۔ الفاظ اس کے حلق میں رک سے گئے، ایک عجیب خیال اور نامعلوم جذبے نے اس کے جسم کی ساری طاقت کھینچ لی اور وہ کانپ سی گئی۔ اس کے آنسو نکل آئے... ''میں... میں کچھ نہیں بول سکتی!!... نہیں بول سکتی'' اس کے اس مختصر سے جملے اور آواز کی کپکپاہٹ نے ہال میں سناٹا پیدا کردیا۔

اور پھر سب نے ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھا وہ وہاں سے تقریباً دوڑتی ہوئی سلیم کے قریب گئی اور اسے کندھوں سے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ''سلیم مجھے معاف کردو... میں پاگل ہوگئی تھی... تم بہت عظیم ہو... آج بھی تم جیت گئے اور میں ہار گئی۔''

لیکن میں ابھی تک یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ واقعی اس دن کون جیتا، سلیم یا نازلی؟''

■

ماخذ: ماہنامہ 'کھلونا'، نئی دہلی، **نگراں:** یوسف دہلوی، **مدیران:** یونس دہلوی، ادریس دہلوی، الیاس دہلوی، ستمبر 1964

سادگی کی کرامت

کلیم ضیا

ساجد ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ اس نے ساتویں جماعت پہلے نمبر سے پاس کی تھی۔ اس کے ابّو راج مزدور تھے۔ گاؤں میں روزانہ کام نہیں ملتا تھا۔ گاؤں اتنا چھوٹا تھا کہ یہاں پر ہائی اسکول بھی نہیں تھا۔ ساتویں تک تعلیم کا انتظام ضرور تھا، البتہ اس سے آگے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر جانا پڑتا تھا۔ شہر میں ساجد کے ماموں جان رہتے تھے۔ وہ سرکاری ملازم تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ساجد کے ابّو اور امی کی خواہش تھی کہ وہ شہر میں اپنے ماموں جان کے پاس رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔

گرمی کی چھٹیوں میں ماموں جان اور ممانی جان ساجد کے گھر آئے، تین چار دن کے بعد وہ ساجد کو لے کر شہر آ گئے۔ ساجد بہت سیدھا سادا، کم سخن مگر ذہین لڑکا تھا، اس کا رہن سہن، کھانا پینا، لباس اور بالوں کی تراش خراش بہت مناسب اور سب کو بھانے والی تھی۔ اس کی سلیقہ مندی دیکھ کر نہ صرف اس کے گھر والے بلکہ اس کے اڑوسی پڑوسی، اساتذہ اور اس کے ساتھی بھی عش عش کرتے تھے۔

ساری چھٹیاں ماموں اور ممانی کے ساتھ شہر میں گھومنے پھرنے میں ختم ہو گئیں۔ گاؤں سے آتے ہی اس کے ماموں ممانی نے عمدہ قسم کے دو تین جوڑی کپڑے، ایک جوڑی جوتے اور ایک نفیس سی چپل دِلا دیے۔ ساجد پہلے ہی سے بہت سلیقہ مند تھا، وہ جب بھی اپنے ماموں ممانی کے ساتھ گھومنے جاتا، کچھ دیکھے نہ دیکھے فلمی اشتہار (پوسٹر) پر ضرور نظر ڈالتا اور ان میں ہیرو کو بڑے غور سے دیکھتا۔ وہ گھر آ کر فوراً ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتا۔ چھٹیوں میں اس کا زیادہ تر وقت گھومنے اور ٹی وی دیکھنے میں ہی گزرا۔ چھٹیوں میں ہی اس کے ماموں جان نے شہر کے ایک مشہور و معروف اسکول کی آٹھویں جماعت میں اس کا داخلہ کرا دیا۔ گھومنے پھرنے کے دن ختم ہوئے۔ اسکول کُھل گئے۔ ساجد بھی اسکول جانے لگا۔ اسکول

کے تمام بچے نظم وضبط والے، صاف ستھرے اور محنتی نظر آتے تھے، مگر ساجد کی بات ہی کچھ اور تھی۔ پوری جماعت میں وہ سب سے نمایاں تھا۔ تمام بچے اس سے دوستی کرنے کے خواہش مند اور ہر کوئی اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتا۔ پڑھنے لکھنے اور کام میں سب سے آگے۔ پہلی صف میں جماعت کے درمیان استاد کی میز کے بالکل سامنے والے بنچ پر بیٹھتا۔ استاد کا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت مشفقانہ رہتا۔ کسی کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی، البتہ اس کی علاحدگی پسندی اور کم گوئی دوسرے بچوں کو ضرور کھلتی تھی۔

دن گزرتے رہے، ساجد پر آہستہ آہستہ شہر کے ماحول کا اثر پڑنے لگا۔ دھیرے دھیرے اس کے رویے میں تبدیلی آنے لگی۔ ایک دیڑھ مہینہ گزرا ہوگا کہ ساجد کے بالوں کا انداز (اسٹائل) بدل گیا۔ اب اس کے بال ایک فلمی ہیرو کی طرح ہوگئے۔ درمیان میں گھوڑے کی طرح کھڑے بال، دونوں جانب سے مانگ نکلی ہوئی، پیچھے کے بال لمبے، جس کی ایک چھوٹی سی چوٹی بنائی جاسکتی تھی۔

جیسے ہی پیر کے دن وہ اسکول پہنچا، تمام لڑکے اُسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔ استاد نے بھری جماعت میں پوچھ لیا ''ساجد میاں! سب ٹھیک تو ہے؟''۔ ساجد سمجھ تو گیا، مگر خاموش رہا۔ آج کوئی بچہ اس کے قریب نہ آیا۔ گھر پہنچا تو ممانی جان نے غور سے دیکھا اور گال پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگیں۔ کھانا کھا کر وہ قیلولے کی غرض سے بستر پر گیا، مگر آنکھ ذرا بھی نہ لگی۔ وہ صرف کروٹیں بدلتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بستر سے اٹھا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ وہ سنگھار دان کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا، آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اُسے چڑھ سی ہونے لگی۔ اس نے اِرادہ کیا کہ آج کے بعد وہ کبھی ایسے بال نہیں بنائے گا، یہ خیال آتے ہی اس کی بے چینی کافور ہوگئی اور وہ اطمینان سے اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا، ہوم ورک اور دوسرے دن کی تیاری کر کے کھانا وغیرہ کھا کر رات دس بجے وہ بستر پر چلا گیا۔

پوری رات اسے خواب میں صرف بال اور بالوں کے مختلف انداز نظر آئے۔ کسی طرح دن نکلا۔ ساجد بستر سے اُٹھا۔ ناشتہ وغیرہ کر، اسکول کو روانہ ہوا۔ مگر آج اس کے نخرے کچھ اور ہی بتا رہے تھے۔ آج اس نے دوسرے فلمی ہیرو کی طرح بال سجائے۔ اسکول میں داخل ہوتے ہی ایک بچے نے پیچھے سے آواز لگائی۔ ''کیا ہیرو۔ آج تو تمھارے جلوے ہی الگ ہیں یار!'' ساجد خاموشی سے اپنی کلاس کی طرف بڑھتا رہا، وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ جماعت میں داخل ہوتے ہی جماعت میں موجود تمام بچے شور مچانے لگے اور زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ ہیرو! ہیرو! کہہ کر چلانے لگے۔ گھنٹی بجی تو طوفان تھما۔ ساجد میاں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ استاد جماعت میں داخل ہوئے۔ سب نے تعظیم بجالائی۔ حاضری لینے کے بعد استاد ساجد سے مخاطب ہوئے۔ ''ساجد! کیا بات ہے، کسی فلم یا ٹی وی سیریل میں کام کرنے لگے ہو کیا؟'' ساجد کھڑا ہوا اور اس نے جھینپتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔ ''نو سر!'' ''ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ۔ شہر کی ہوا ہی ایسی ہے کہ اچھے اچھوں کے رنگ ڈھنگ بدل دیتی ہے، مگر تم تو لگتا ہے کہ ہوا کے دوش پر سوار ہو۔ خیر''۔ اتنا کہہ کر استاد اپنی معمول کی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ ساجد کا موڈ بُری طرح خراب ہوگیا۔ استاد جب ساجد کے تعلق سے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے، جماعت کے تمام طلبا ساجد کی طرف متوجہ تھے اور دھیرے دھیرے مسکرا بھی رہے تھے۔ ساجد کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ میں بے چینی اور مزاج میں اکتاہٹ

محسوس کر رہا تھا۔ اسکول سے چھوٹتے ہی وہ سیدھا گھر پہنچا۔ اس نے راستے میں ذرا بھی وقت ضائع نہیں کیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ایک طرف بستہ پٹخا اور دوڑتا ہوا سنگھار دان کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اسے اپنے آپ سے چڑھ ہونے لگی۔ اس نے فوراً دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے سر کے بالوں کو بکھیر دیا۔ وہ بس رونے ہی والا تھا کہ ممانی جان اس کے لیے ناشتہ اور دودھ کا گلاس لے آئیں۔ انھوں نے پہلے تو اس کا حلیہ بغور دیکھا اور پھر پوچھا ''بیٹا! کوئی خاص بات ہے کیا؟ تمھیں کوئی تکلیف ہے؟'' ساجد نے جھینپتے ہوئے کہا ''جی نہیں ممانی جان! سب ٹھیک ہے''... ممانی جان کمرے سے باہر نکل آئیں۔ لیکن انھیں اندازہ ہوگیا کہ لڑکا بہت پریشان ہے اور اس کی پریشانی کا سب سے بڑا سبب اس کا فیشن اور خاص طور پر یہ موئے بالوں کا انداز ہے۔ ممانی جان کے کمرے سے باہر جاتے ہی ساجد پلنگ پر دراز ہوگیا، خلا میں گھورنے لگا۔ سوچتے سوچتے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ممکن ہے کہ بالوں کا یہ انداز میرے چہرے پر مناسب نہ لگ رہا ہو، کیوں نہ ایک مرتبہ دوسرا کوئی انداز لایا جائے! اس خیال کے آتے ہی اسے سکون مل گیا، وہ پلنگ سے اٹھا' ناشتہ کیا اور اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہوگیا۔ وہ جب ہوم ورک کرنے بیٹھا تو بیاض اور کتاب کے اوراق پر مختلف فلمی ہیرو کے بالوں کا اسٹائل نظر آنے لگا۔ جھنجھلا کر اس نے کام بند کر دیا۔ مگر سوچ کی لہریں تھیں کہ کہیں تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ جب وہ سنگھار دان کے سامنے آیا تو اب آئینے میں اسے اپنے سر پر بالکل نئے انداز میں بال نظر آئے۔ وہ فوراً ممانی جان کے پاس پہنچا اور رُک رُک کر کہنے لگا۔ ''ممانی جان! مجھے بال کٹوانے ہیں، پیسے دیجیے۔'' ممانی بہت خوش ہوئیں، انھوں نے فوراً سو روپے کا نوٹ اسے تھما دیا اور یہ ہدایت بھی کر دیں کہ ''بیٹا! ذرا بال اچھے کٹوانا۔'' ساجد بے چارہ جی ہاں کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ ماموں جان! اپنی ملازمت سے گھر آچکے تھے۔ وہ ساجد کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آئے تو کھانا کھایا جائے۔ ساجد میاں ذرا دیر سے گھر میں داخل ہوئے۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئے، سامنے ماموں اور ممانی کو پایا، ساجد نے سلام کیا۔ مگر... ماموں جان ساجد کے بالوں کا اسٹائل دیکھتے ہی پریشان ہوگئے۔ ایسی حالت میں ساجد اپنے والدین کے بھی سامنے چلا جاتا تو وہ بھی اسے پہچان نہ پاتے، کیونکہ ساجد میاں نے حلیہ ہی ایسا بنا رکھا تھا۔ اب جو انھوں نے بال بنوائے تھے وہ بالکل بیا کے گھونسلے کی طرح نظر آرہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا گویا کسی نے ان کے سر پر چڑیوں کا کوئی گھونسلہ رکھ دیا ہو... ماموں جان اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ ممانی جان نے مسکراتے ہوئے ساجد سے کہا ''بیٹا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ اچھے بچے ایسے بال بناتے ہیں؟ اب میں سمجھ گئی کہ تم روزانہ اسکول سے آکر پریشان کیوں رہتے ہو؟ ضرور اس میں تمھارے بالوں کو دخل ہے۔ روزانہ نت نئے انداز میں تمھارے بال دیکھ کر تمھارے اساتذہ چڑھتے ہوں گے، بُرا بھلا کہتے ہوں گے اور تمھارے ہم جماعت ضرور تمھارا مذاق اڑاتے ہوں گے۔ ممانی جان نے ماموں جان کو بھی سمجھایا، سب نے مل کر رات کا کھانا کھایا، اس درمیان ماموں جان بالکل خاموش رہے، ان کے چہرے سے مایوسی جھلک رہی تھی، البتہ ممانی جان کھانے کے تعلق سے ایک آدھ جملہ کہہ جاتیں اور چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ ساجد بھی خاموش ہی رہا۔ اس نے آج کھانا بہت کم کھایا۔

جب وہ بستر پر گیا تو وہ اپنے اندر بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے پوری رات کروٹیں بدل کر کاٹی۔ صبح ضروریات سے فارغ ہو کر جب وہ اسکول کے لیے نکلا تو اس وقت بھی اس کے بال گھونسلے کی طرح تھے۔ گھر سے اسکول پہنچنے تک وہ جدھر سے بھی گزرا، لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے، ساجد ان کی چبھتی ہوئیں نظریں برابر محسوس کر رہا تھا۔ جب وہ اسکول میں داخل ہوا تو بچوں کا ایک ہجوم اس کے پیچھے تھا۔ سب ایک آواز میں چلا رہے تھے ساجد!۔ ساجد... ساجد! دُعا کے بعد کلاس شروع ہوئی۔ کلاس ٹیچر نے آتے ہی ساجد کا جو یہ حلیہ دیکھا تو آپے سے باہر ہو گئے۔ انھوں نے فوراً ساجد کو کلاس سے باہر نکال دیا اور کہا کہ اپنے سرپرست کو بلا کر لاؤ اور جب تک تمہارے سرپرست نہ آئیں، تم اسکول بالکل مت آنا' ورنہ میں تمھیں کلاس میں بیٹھنے نہیں دوں گا۔

ساجد نے بستہ اٹھایا اور اپنا سا منہ لے کر چل دیا۔ جیسے ہی گھر پہنچا تو ممانی جان نے وجہ جاننی چاہی تو ساجد میاں کو خوب رونا آیا۔ اس نے کہا تو کچھ نہیں مگر بس زار وقطار روتا رہا۔ ممانی بار بار پوچھتی رہیں مگر ساجد خاموش ہی رہا۔ ممانی نے بھی زیادہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا، البتہ یہ ضرور کہا کہ چلو کھانے کا ڈِبّہ نکالو میں تمھیں کھانا کھلا دوں، اس کے بعد تم تھوڑا آرام کر لو، شاید تمھیں کچھ سکون مل جائے۔ اتنا کہہ کر انھوں نے ساجد کو کھانا کھلایا اور اسے اپنے کمرے میں سونے کے لیے بھیج دیا۔

ساجد دھڑام سے بستر پر گرا۔ اس کی سوچ کی لہریں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں، بس وہی بالوں کا قصہ، ''آخر کیا کروں! میرا بھی تو جی چاہتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے بال رکھوں،' مگر پتا نہیں لوگوں کو میرے بالوں سے کیا پریشانی ہے''۔ یہ سوچتے سوچتے نیند آئی اور تھپکی دے کر چلی گئی۔ اب ساجد گہری نیند میں بالوں کے متعلق حتمی فیصلہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ ''ایک طرف میں اکیلا ہوں اور دوسری طرف میرے شفیق ماموں جان اور ممانی جان، میرے اساتذہ، میرے ہم جماعت، میرے دوست اور میرے اڑوسی پڑوسی، غرض کہ تمام ایک طرف اور میں اکیلا دوسری طرف، کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اکیلا غلط ہوں اور یہ تمام بالکل صحیح ہیں، کیونکہ سب تو غلط نہیں ہو سکتے۔ البتہ ایک دو کی بات الگ ہے۔ مگر اتنے سارے لوگ کیسے غلط ہو سکتے ہیں۔ نہیں اب مجھے اپنی ہی اصلاح کرنی چاہیے... تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ ممانی بے چاری یہ دیکھنے کے لیے ساجد کے کمرے میں آئیں، کہ دیکھوں بچہ کس حال میں ہے؟ انھوں نے جیسے ہی دروازہ کھولا، ساجد کی آنکھ کھُل گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ممانی نے پوچھا۔ ''بیٹا! اب کیسا لگ رہا ہے؟ جی! اچھا لگ رہا ہے، ساجد نے کہا ''ممانی جان! مجھے تھوڑی چائے بنا دیجیے، میرا جی چائے پینے کو چاہ رہا ہے''۔ ''اچھا بیٹا! ابھی لائی'' کہہ کر وہ باورچی خانے (کچن) میں چلی گئیں۔

ساجد جلدی جلدی اٹھا، وضو کیا، نماز پڑھی، چائے پی اور ممانی جان سے یہ کہہ کر باہر نکلا کہ میں جلدی ہی واپس آ رہا ہوں... ادھر ممانی جان ساجد کے اسکول سے جلدی لوٹنے کی وجہ سے پریشان تھیں، وہ سوچ رہی تھیں کہ یہ بات ساجد کے ماموں کو بتائے کہ نہیں! کیونکہ اگر بتاتی ہیں تو وہ بہت پریشان ہو جائیں گے، نہ بتائے تو ساجد کے بگڑنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ وہ اسی اُدھیڑبُن میں تھیں کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ ممانی نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ ساجد میاں بالکل اپنے پرانے انداز میں دروازے پر کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اب ساجد وہ ساجد نظر آ رہا تھا جو پہلے پہل

گاؤں سے آیا تھا۔ ممانی جان نے ساجد کو فوراً اپنے سینے سے لگالیا، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، ساجد بھی رو رہا تھا۔

رات ماموں جان جب تھکے تھکے گھر لوٹے تو ساجد کو دیکھتے ہی ان کی تھکاوٹ دور ہوگئی۔ انھوں نے بھی ساجد کو اپنے سینے سے لگایا اور خوب پیار کیا۔ اب تو ساجد کی گاڑی چل پڑی تھی... دیر رات تک جاگنے کے بعد سب لوگ سوگئے۔ ساجد کی آنکھ البتہ ذرا دیر سے لگی۔

صبح اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہو کر وہ سیدھا اسکول پہنچا۔ اب تمام بچوں کا رویہ بدل چکا تھا۔ دو ایک بچوں نے طنزیہ باتیں بھی کہیں مگر ساجد نے ایک کان سے سنی اور دوسرے سے نکال دی۔ دعا کے بعد کلاس میں جیسے ہی استاد آئے ساجد کو دیکھتے ہی ان کی زبان سے نکلا ''صبح کا بھولا شام کو گھر آگیا۔'' ساجد کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا ''شاباش!'' ساجد میاں نے تہیہ کرلیا کہ اب وہ کسی کو ذرہ برابر بھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے اور پوری طرح سے پڑھائی پر توجہ دیں گے۔ اور واقعی انھوں نے ایسا کر دکھایا۔ کیونکہ ایک مہینے بعد ہی ان کے نظم و ضبط اور ان کی کارکردگی کو دیکھ کر انھیں اپنی کلاس کا مانیٹر اور تمام مانیٹروں کا ہیڈ بنا دیا گیا۔ ساجد کے استاد نے سچ کہا تھا ''اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔''

''سادگی ایمان کی علامت ہے۔''

■

Dr. Mohammed Kaleem Zia
A-103, Rawal Enclave, Rawal Nagar
Opp: Rawal School & College
NR: Mira Road Station, Mira Road (East)
Distt.: Thane- 401107 (Maharashtra)
Mob.: 9892933626

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکنی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر........................ بتاریخ........................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

فریب کا شکار

محمد یحییٰ جمیل

کردار

(1) فریدی (ہوٹل کا مالک) (2) رضوان (غسال)

(3) پڑوسی-1 (4) پڑوسی-2

(پہلا منظر)

(فریدی، ہوٹل میں قورمہ پکا رہا ہے۔)

فریدی: (پتیلے میں سے گوشت نکال کر چھوتا ہے) گوشت اب تک نہیں گلا!! بلکہ بوٹیاں تو ایسی لگ رہی ہیں جیسے پتھر ہوگئی ہوں۔ قصاب کے بچے نے آج یہ کیسا گوشت دے دیا! (پھر شوربہ ہتھیلی پر ڈال کر چکھتا ہے) گوشت کا شوربہ بھی بے مزہ ہوگیا۔ (چولھے کے پاس سے ہٹ کر تولیہ سے ہاتھ پونچھتا ہے۔) گاہک اسے کھا نہیں سکتے۔ سب پھینکنا پڑے گا۔ کیا کروں، کیا کروں، کیا کروں......؟

رضوان: السلام علیکم۔

فریدی: (دھیرے سے) واہ کام ہوگیا۔ (اونچی آواز میں) وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کیا دے دوں؟

رضوان: قورمہ۔

فریدی: کتنا؟

رضوان: مجھے زیادہ نہیں چاہیے، بس اتنا دو کہ آٹھ دس آدمی کھا سکیں۔

فریدی: گھر میں مہمان آگئے ہیں کیا؟

رضوان: ہاں، کچھ رشتے دار ہیں۔

فریدی: اور روٹیاں کتنی کر دوں؟

رضوان: نہیں نہیں، روٹیاں گھر میں بن رہی ہیں۔
فریدی: (ہنس کر) عام طور پر بیویاں کہتی ہیں سالن میں بنا لیتی ہوں، روٹیاں لے آؤ، لیکن باجی بخوشی روٹیاں بنا لیتی ہیں، اچھا ہے (پتیلا اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔) لے جاؤ۔
رضوان: یہ کچھ زیادہ نہیں ہو جائے گا؟
فریدی: جو بچ جائے وہ اگلے دن کھا لینا، اگر پھر بھی بچ جائے تو اس کے اگلے دن بھی کھا سکتے ہو۔
رضوان: لیکن زیادہ قورمہ لے کر میں کیا کروں گا؟
فریدی: میں اس قورمہ کے تم سے پیسے نہیں مانگ رہا ہوں۔
رضوان: (ہنس کر) تو کیا آج مفت بانٹ رہے ہو۔
فریدی: میں تمھیں مفت نہیں دے رہا، بلکہ سودا کر رہا ہوں۔
رضوان: سودا؟ میں سمجھا نہیں۔
فریدی: (ایک لمبی آہ بھر کر) بھائی، تم جانتے ہی ہو کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ جو رشتے دار ہیں وہ سبھی مطلبی اور خود غرض ہیں۔ اب اگر میں کسی دن مر جاؤں تو خدا جانے یہ مجھے غسل دیتے بھی ہیں یا بغیر غسل کے ہی دفن کر دیتے ہیں۔
رضوان: نہیں نہیں، ایسا کوئی نہیں کرتا۔ مردہ کو غسل دیا جاتا ہے۔
فریدی: یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم میرے رشتہ داروں کو نہیں جانتے۔ سب میرے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں تا کہ اس ہوٹل پر قبضہ کر سکیں۔
رضوان: خیر، ٹھیک ہے پھر؟
فریدی: تم غسال ہو۔ مردہ کو غسل دیتے ہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر کسی دن میری موت ہو جائے تو تم اس قورمہ کے عوض مجھے غسل دے دینا بس۔

رضوان: (خوش ہو کر) اوہ، اتنی سی بات۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس پتیلا بھر قورمہ کے عوض تمھیں بہت اچھی طرح غسل دوں گا۔
فریدی: ٹھہرو پتیلا گرم ہے، میں کپڑا دیتا ہوں اس سے اٹھا کر لے جاؤ۔ (کپڑا لانے اندر جاتا ہے۔)
رضوان: (پتیلے کا ڈھکن اٹھا کر دیکھتا ہے) اتنا سارا قورمہ واہ۔ اس نے صرف غسل کے عوض اتنا قورمہ دے دیا۔ یہ تو بڑا بیوقوف نکلا۔ خیر، عمدہ سودا ہو گیا۔ پیسے بھی بچ گئے، قورمہ بھی مل گیا۔
فریدی: (کپڑا لے کر آتا ہے) لو، اس سے اٹھا کر لے جاؤ۔
رضوان: (کپڑے سے پتیلا اٹھاتا ہے) شکریہ، اب غسل کی فکر نہ کرنا، میں ہوں۔
فریدی: (اس کے جانے کے بعد زور سے ہنستا ہے۔)

(دوسرا منظر)

(فریدی، رضوان کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔)
رضوان: (دروازہ کھول کر) ارے تم، السلام علیکم۔
فریدی: وعلیکم السلام بھائی، پورا ہفتہ گذر گیا۔ ملاقات ہی نہیں ہوئی۔
رضوان: ہاں کچھ مصروف تھا۔ خیر کیسے آنا ہوا؟
فریدی: میں اورنگ آباد جا رہا ہوں اس لیے تمھیں لینے آیا ہوں۔
رضوان: معاف کرنا، میں تمھارے ساتھ نہیں آ سکتا۔
فریدی: نہیں نہیں تمھیں میرے ساتھ اورنگ آباد چلنا پڑے گا۔
رضوان: بھائی، میں نہیں آ سکتا۔ میرے اپنے کام ہیں۔
فریدی: وہ سب میں نہیں جانتا تمھیں میرے ساتھ دو مہینوں کے لیے اورنگ آباد چلنا ہی پڑے گا۔

رضوان: دو مہینوں کے لیے! بھائی میں دو ماہ کے لیے تمھارے ساتھ کیوں آؤں؟

فریدی: مجھے غسل دینے کے لیے۔

رضوان: (قہقہہ لگا کر) طے یہ ہوا تھا کہ تمھارے مرنے کے بعد میں تمھیں غسل دوں گا۔

فریدی: جانتا ہوں، اسی لیے تمھیں ساتھ لے جانا چاہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اورنگ آباد میں میری موت ہوجائے تو تم مجھے غسل دے سکو گے۔

رضوان: (گھبرا کر) کیا؟ تم ماشاءاللہ ابھی صحت مند ہو، تمھیں کیسے موت آسکتی ہے؟

فریدی: کیوں نہیں موت آسکتی؟ زندگی کا کوئی بھروسہ ہے؟

رضوان: زندگی کا تو کوئی بھروسہ نہیں، لیکن میں تمھیں اسی وقت غسل دوں گا جب تم اس شہر میں انتقال کرو گے۔

فریدی: دیکھو تم اپنے وعدے سے مکر رہے ہو۔ یہ بات طے نہیں ہوئی تھی۔ طے یہ ہوا تھا کہ تم میرے مرنے کے بعد مجھے غسل دو گے۔

رضوان: بیشک لیکن یہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ میں اس کام کے لیے تمھارے پیچھے پیچھے گھومتا رہوں گا۔

(شور سن کر دو پڑوسی ان کے قریب آتے ہیں۔)

پڑوسی 1: کیا بات ہے؟

فریدی: دیکھو بھائی، میں نے رضوان کو پتیلا بھر قورمہ اس شرط پر دیا تھا کہ وہ میرے مرنے کے بعد مجھے غسل دے گا۔ اب وہ اس بات سے مکر رہا ہے۔

رضوان: میں مکر نہیں رہا ہوں بلکہ اپنے وعدے پر قائم ہوں۔

پڑوسی 2: پھر جھگڑا کس بات کا؟

رضوان: یہ کہہ رہے ہیں کہ میں ان کے ساتھ اورنگ آباد جاؤں۔

پڑوسی 2: آپ اسے اورنگ آباد کیوں لے جانا چاہتے ہیں؟

فریدی: اگر اورنگ آباد میں میری موت ہو جائے تو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

پڑوسی 2: کیوں نہیں۔ضرور غسل دیا جائے گا۔

فریدی: بس اسی لیے میں رضوان کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں کہ وہ مجھے وہاں غسل دے سکے۔

رضوان: میں تمھارے ساتھ اورنگ آباد نہیں جارہا، جو کرنا ہے کرلو۔

فریدی: دیکھو میاں یہ ڈھٹائی کسی اور کے ساتھ کرنا۔تم نے پتیلا بھر قورمہ مجھ سے مفت لیا ہے۔

رضوان: مفت نہیں لیا،تم نے دیا اور مفت نہیں بلکہ اپنے غسل کی قیمت دی ہے۔

فریدی: بس تو پھر، دو ماہ کے لیے میرے ساتھ اورنگ آباد چلو۔

پڑوسی 1: فریدی کی بات میں دم ہے۔خدانخواستہ اگر اورنگ آباد میں وہ انتقال کر جائیں تو ان کے غسل کے لیے تمھارا وہاں ہونا لازمی ہے۔تمھیں اورنگ آباد جانا چاہیے۔

رضوان: (سر پکڑ کر) کیا مصیبت ہے۔آپ یوں کہہ رہے ہیں جیسے اورنگ آباد میں فریدی کا مرنا طے ہے۔

پڑوسی 1: وہ احتیاطاً تمھیں ساتھ لے کر جارہے ہیں۔چلے جاؤ۔

پڑوسی 2: ہاں وعدہ کے مطابق تمھیں جانا ہی چاہیے۔

رضوان: نہیں، یہ تو نہیں ہوسکتا۔فریدی تم اپنے قورمہ کی قیمت لو اور میری جان چھوڑو۔

فریدی: نہیں، مجھے قورمہ کی قیمت نہیں چاہیے۔میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد تم مجھے غسل دو۔

رضوان: (ہاتھ جوڑ کر) اس مصیبت سے میری جان چھڑاؤ۔

پڑوسی 1: بھائی، معاملہ ختم کرو۔اپنے قورمہ کی قیمت لے لو۔

فریدی: (ہاتھ ملتے ہوئے) تم لوگ کہہ رہے ہو تو میں مان لیتا ہوں لیکن چونکہ رضوان وعدہ توڑ رہا ہے اس لیے بطور ہرجانہ مجھے دوگنی رقم چاہیے۔

رضوان: یہ تو زیادتی ہے۔

فریدی: پھر اورنگ آباد چلو۔

رضوان: اورنگ آباد جانے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔کہو کتنے پیسے چاہیے؟

فریدی: وہ ایک ہزار روپے کا قورمہ تھا، تم مجھے دو ہزار روپے دے دو۔

رضوان: (حیرت سے) استغفر اللہ، دو ہزار روپے! اس قورمہ کے! سخت بوٹیوں والے بد مزہ قورمہ کے؟

فریدی: (پڑوسیوں سے مخاطب ہو کر) لیجیے اب صاحب اس میں عیب گنا رہے ہیں۔

رضوان: جو بھی ہو، دو ہزار بہت زیادہ ہیں۔

فریدی: پیسے دینا نہ چاہو تو میرے ساتھ اورنگ آباد چلو۔ ورنہ میں حاکم کے پاس شکایت لے کر جاتا ہوں۔

رضوان: (جیب سے دو ہزار روپے نکال کر) لو دو ہزار روپے لو۔

فریدی: (روپے لے کر جیب میں رکھتا ہے) خدا حافظ۔

(سب خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔)

رضوان: (سر پکڑ کر) فریدی تو انتہائی فریبی نکلا۔ہائے ہائے، ذرا سی لالچ نے میرا کتنا نقصان کر دیا۔مکار اور فریبی لوگوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔

■

Prof. Mohammad Yahya Jamil
Rifat Manzil-9, Jamil Colony,
Amravati - 444601 (Maharashtra)
Mob.: 7350404313

احتشام الحق

گم شدہ پانی کی تلاش میں

شکیل احمد سلفی کی کہانیوں کا مجموعہ 'گم شدہ پانی کی تلاش میں' ایک دلچسپ کتاب ہے، جس میں پرندے کنگھی کیوں نہیں کرتے؟ گم شدہ پانی کی تلاش میں، اور کارڈ پہنچ گیا، اور عمارت تیار ہوگئی، تتلی کی مسکراہٹ، گوڈاون ذرا بچ کے، طلسماتی چوغہ، قدیم مخلوقات، دھرتی کیوں ڈولی؟ منگل یان: مریخ کا ایک سفر، آٹو جواڑ گیا، چمگادڑ کی صدائے بازگشت، ہم انھیں 'با' کہتے ہیں' جیسی کہانیاں ہیں۔

یہ جتنی کہانیاں وہ تصویروں کے ساتھ اور بول چال کے انداز میں لکھی گئی ہیں جس سے آپ کو پڑھنے میں بھی مزہ آئے گا اور چیزوں کو یاد رکھنا بھی آسان ہوگا۔

اگر آپ 'پرندے کنگھی کیوں نہیں کرتے؟' پڑھتے ہیں تو آپ پائیں گے کہ بلبل، ہدہد، چمچہ بطخ مونال، مچھلی خور الو، کوتوال، دھنیش، گدھ وغیرہ کے سروں پر کیسے بال ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے پر اور سر کے بال ان کے لیے کس طرح معاون ہوتے ہیں۔

'گم شدہ پانی کی تلاش میں' شہروں میں ختم ہوتے ہوئے پانی کے مسائل کو آشکار کرنے والی ایک کتاب ہے۔ اس میں اس بڑے مسئلے کے حل کی طرف بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

'اور کارڈ پہنچ گیا' میں یہ جاننے کا موقع ملے گا کہ پوسٹ آفس میں مشین کس طرح کام انجام دیتی ہے۔ ہماری زندگی میں روبوٹ کا کیا کام ہے۔

'اور عمارت تیار ہوگئی' میں عمارت کی تعمیر کے عمل کو سمجھایا گیا ہے۔ گھر کے جو الگ الگ حصے ہیں ان کے نام کیا ہیں۔ گھر کی تعمیر میں الگ الگ حصوں کو بنانے کے لیے کون کون سا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ نقشہ یا بلو پرنٹ کیا ہوتا ہے۔ اس طرح تعمیراتی عمل کو سمجھنے کا پورا موقع ملتا ہے۔

'تتلی کی مسکراہٹ' میں ہم یہ جانتے ہیں کہ لاروا کیا ہوتا ہے۔ لاروا سے لے کر تتلی بننے تک تتلی کن مراحل سے گزرتی ہے۔ تتلی اپنی غذا کے حصول کے لیے پھولوں کا رس کس طرح چوستی ہے۔

'گوڈاون ذرا بچ کے' اس میں ہمیں گوڈاون پرندے کے بارے میں تفصیل سے جاننے کا موقع ملتا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس نایاب پرندے کو بچانے کے لیے کس عمل کی ضرورت ہے۔

'طلسماتی چوغہ' طلسمات تو جادو کو کہتے ہیں لیکن ہماری زندگی میں کئی ایسے کام ہیں جن کا تصور ہمارے لیے جادو جیسا ہے۔ مثلاً انسان کا ایسا کپڑا پہننا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوجائے۔ ہے نا یہ بڑی حیرت انگیز بات۔ لیکن آپ کو اس کتاب میں یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ سائنس دانوں نے ایسے فیبرک تیار کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے جسے پہن کر انسان لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوسکتا ہے۔ یہ کتاب آپ کو نینو فائبر کا کانسپٹ کلیئر کرنے میں مدد کرتی ہے۔

'قدیم مخلوقات' یہ کہانی دراصل ڈائنا سور کی مختلف قسموں کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ کرتی ہے۔ قدیم مخلوقات کس طرح دنیا سے معدوم ہوگئیں اس کو بھی اس کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے۔

'دھرتی کیوں ڈولی؟' زلزلہ کے بارے میں معلومات

فراہم کرتی ہے۔ زلزلہ کیوں آتا ہے۔ زلزلہ کو ریکٹر اسکیل پر کس طرح ناپتے ہیں۔ جب زلزلہ آئے تو ہمیں بچنے کے لیے کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔ یہ کہانی ڈیزاسٹر مینجمنٹ کے ایک حصے کو ہمارے سامنے لاتی ہے۔

'منگل یان: مریخ کا ایک سفر' یہ کہانی مریخ کے بارے میں تفصیل سے معلومات فراہم کرتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ زمین کے بعد مریخ ہی ایسا سیارہ ہے جس پر زندگی بسنے کے امکانات ہیں۔ یہ کہانی اس حوالے سے ساری معلومات دیتی ہے اور مریخ کا پورا کانسپٹ کلیئر ہو جاتا ہے۔

'آٹو جواڑ گیا' میں شہروں میں اندرون شہر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ کی کیا اہمیت ہے۔ یہ کہانی ٹریفک کے مسائل بھی ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

'چمگادڑ کی صدائے بازگشت' میں ہم چمگادڑ کی مختلف قسموں کے بارے میں جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں ان میں سننے کا عمل کیسے انجام پاتا ہے۔

اسی طرح 'ہم انھیں با کہتے ہیں' تاریخ کے ایک ایسے چیپٹر کو ہمارے سامنے کھولتی ہے جس میں ہم گاندھی جی کی اہلیہ کستوربا گاندھی کی زندگی کے مختلف اور اہم پہلوؤں سے واقف ہوتے ہیں۔

شکیل احمد سلفی نے ان کہانیوں کا انگریزی سے ترجمہ کیا ہے۔ شکیل احمد سلفی کا تعلق بہار کے دربھنگہ سے ہے۔ استاد ہونے کے ساتھ وہ صحافی بھی ہیں۔ ماہنامہ 'الہدیٰ' کے ایڈیٹر ہیں۔ وہ بچوں کے لیے بھی لکھتے رہے ہیں۔ پیشے سے وہ استاد ہیں، اس لیے وہ بچوں کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہیں اور ان کی ضرورتوں اور مسائل کو بھی بخوبی سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کہانیوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بچوں کا پورا خیال رکھا ہے۔ ان کی عمر کے لحاظ سے زبان اختیار کی ہے اور کوشش کی ہے کہ الفاظ ایسے ہوں کہ بچوں کو لغت

گم شدہ پانی کی تلاش میں مصنف: شالنی شری نواسن
ترجمہ: شکیل احمد سلفی رابطہ: اسٹوری ویور ڈاٹ او آر جی

دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے اور کہانی کا موضوع بھی بچوں پر بالکل واضح ہو جائے۔

یقینی طور پر اردو میں ایسی کتابیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ ادارہ پرتھم اس کے لیے مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے اردو میں بھی ایسی کتابیں شائع کرائی ہیں وہیں مترجم شکیل احمد سلفی بھی لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا ہے جو اب اردو زبان سے مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اردو زبان میں ایسی کتابیں بہت کم آ رہی ہیں جن میں شاعری، فکشن اور اردو کی ادبی تحقیق وتنقید سے اوپر اٹھ کر لکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔

بچوں کو چاہیے کہ ایسی کتابیں پڑھیں بھی اور ان کو اپنی لائبریری کا حصہ بھی بنائیں۔

■

Ehteshamul Haque
Incharge Head Master
Higher Secondary School,
Majhaulia, Hayaghat,
Darbhanga – 846002 (Bihar)

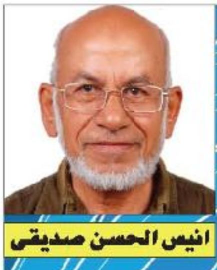

نیوکلیئر فیوژن کی کہانی اس کی زبانی

میرے پیارے بچو!

میرے اس نئے لفظ سے آپ سب حیران ہو رہے ہوں گے۔ اس نئے لفظ سے حیران و پریشان بالکل بھی نہ ہوں۔ ایسے نئے الفاظ سائنس کی زبان میں روزانہ آتے رہتے ہیں اور آتے ہی رہیں گے جب تک سائنس میں دریافتوں کے سلسلے جاری ہیں۔

اب لفظ 'نیوکلیر فیوژن' کے معنی سمجھ لیجیے:

لفظ 'نیوکلیر فیوژن' کے معنی ہیں کہ وہ کیمیائی عمل جس میں دو ذرّات کے مرکزوں میں دو جوہروں کے ذرات کا ملاپ ہونے سے ایک نئے عنصر کا جوہر بنتا ہے۔ اس کیمیائی عمل میں دو یا دو سے زیادہ جوہر فیوز ہو کر ایک بڑا جوہر پیدا کرتا ہے۔ ایسا کیمیائی عمل اونچے درجہ کے درجہ حرارت کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ ایسا کیمیائی عمل ہونے سے بہت ہی زیادہ توانائی خارج ہوتی ہے۔ ایسا کیمیائی عمل کائنات کے تمام ستاروں کے مرکزوں میں ہو رہا ہے۔ سورج میں بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔ تب ہی تو تمام جاندار اس کرۂ ارض پر سورج سے پہنچ رہی توانائی کی وجہ سے زندہ ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ اگر سورج سے توانائی کا آنا بند ہو جائے تو تمام جاندار اس کرۂ ارض پر نیست و نابود ہو جائیں گے۔

1920 میں سائنسداں ڈاکٹر آرتھر ایڈنگٹن (Dr. Arthur Eddington) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تمام ستاروں میں فیوژن کے ذریعہ توانائی بنتی ہے۔

1939 میں ڈاکٹر ہنس بیتھے (Dr. Hans Bethe) نے پوری تفصیل اور شمار شائع کیے کہ تمام ستاروں میں نیوکلیر فیوژن کے ذریعہ توانائی بن رہی ہے۔

اس سے پہلے تمام لوگوں کا خیال تھا کہ سورج میں توانائی کوئلے کے ذریعے بنتی ہے۔ جبکہ حقیقت میں ایسا بالکل بھی نہیں تھا۔

4.6 بلین سال سے سورج میں توانائی نیوکلیر فیوژن کے ذریعے ہی بن رہی ہے اور 4.6 بلین مزید سال تک بنتی رہے گی۔ کائنات کے تمام ستاروں میں نیوکلیر فوژن کے ذریعے توانائی پیدا ہو رہی ہے۔ جس طرح سورج کی عمر 9 بلین سال

ہے اسی طرح تمام ستاروں کی بھی عمریں مقرر ہیں۔اس کے بعد وہ مرجاتے ہیں۔کائنات میں روزانہ ستارے مر بھی رہے ہیں اور نئے پیدا بھی ہورہے ہیں۔یہ ایک قدرتی نظام ہے۔

اس قدرتی نظام کو سمجھنے کے لیے تمام بچوں وبچیوں کو مشورہ ہے کہ وہ علمِ ہیئت1 کی کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں اور اپنے اسکول کی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ سائنسداں، تکنیکی ماہرو خلاباز2 بننے کی تیاری کریں۔

اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ نیوکلیر فیوژن کا کیا مطلب ہے۔

سائنسدانوں کا ماننا ہے کہ اگر اس عمل کے ذریعے توانائی بنائی جائے تو اس خارج شدہ توانائی کے ذریعے دس گنا بجلی بنائی جاسکتی ہے۔اس عمل کے ذریعے بجلی بنانے میں کوئی فُضلہ نہیں بنتا ہے اور نہ ہی خطرناک شعاعوں یعنی ریڈی ایشن کا خطرہ ہوتا ہے۔

اب ذرا میرے ساتھی 'نیوکلیر فِژن' کا مطلب بھی سمجھ لیجیے:

اس کیمیائی عمل میں ایک عنصر کا جوہر توڑ کر دو یا دو سے زیادہ چھوٹے ذرات پیدا کیا جاتا ہے۔ایسا عمل کرنے میں بھی بہت ہی زیادہ توانائی خارج ہوتی ہے۔اس خارج شدہ توانائی کو بجلی میں تبدیل کیا جاتا ہے۔آجکل اس عمل کو اٹامک انرجی کہا جاتا ہے۔

آج کل نیوکلیر فِژن کے ذریعے کافی ملکوں میں بجلی بنائی جارہی ہے۔ نیوکلیر فِژن کے ذریعہ بجلی بنانے میں خطرناک شعاعوں کا خطرہ ہے۔اس کے علاوہ اس طریقے سے بجلی بنانے میں نیوکلیر فُضلہ بھی بنتا ہے جس کا ذخیرہ کرنا سائنسدانوں کے لیے ایک بہت ہی بڑا دردسر ہے۔یہ طریقہ کُرہٗ ارض کے ماحولیات کے لیے مناسب نہیں ہے۔اس لیے سائنسداں سورج کے طریقۂ عمل یعنی نیوکلیر فیوژن کی نقل کرنے کے لیے اپنی اپنی لیباریٹریوں میں تجربات کررہے ہیں۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر سائنسداں نیوکلیر فیوژن کے ذریعہ بجلی بنانے کے تجربات میں منہمک ہیں۔اس سلسلے میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، چین، جاپان اور ساؤتھ کوریا کے سائنسداں اپنی اپنی تجربہ گاہوں میں تجربے کررہے ہیں۔ فرانس میں آئی۔ٹی۔ای۔آر۔پروجیکٹ کے تحت کام چل رہا ہے جس میں ہندوستان، چین اور امریکہ کے سائنسداں شریک ہیں۔ 2005 سے ہندوستان بھی آئی ٹی ای آر پروجیکٹ میں شریک ہے۔ہندوستان کی طرف سے ڈپارٹمنٹ آف انرجی کے تحت ایک لیباریٹری یعنی دی انسٹی ٹیوٹ فار پلازما ریسرچ، احمد آباد کے سائنسداں اس پروجیکٹ میں شرکت کررہے ہیں۔ممبر کی حیثیت سے ہندوستان کے سائنسداں وتکنیکی ماہر آئی ٹی ای آر ریکٹر کے کئی پُرزے تیار کررہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کے تحت اس پروجیکٹ سے متعلق تجربات بھی کررہے ہیں۔

سائنسدانوں کے مطابق نیوکلیر فیوژن عمل کرنے کے لیے بہت ہی اونچے درجہ کا درجۂ حرارت درکار ہے جو کہ سائنسدانوں کے لیے ایک بہت ہی بڑا مسئلہ ہے۔اونچے درجہ کے درجۂ حرارت کا مطلب ہے کہ سورج کے مرکز میں جو درجۂ حرارت ہے اس کا دس گنا درجۂ حرارت لیباریٹری میں پیدا کرنا۔ایسا کرنا ایک عام تجربہ گاہ میں بہت ہی کٹھن کام ہے۔

---

1 علم ہیئت (Astronomy) اجرامِ فلکی کا مطالعہ۔اس موضوع پر نیشنل کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی-25 نے اردو زبان میں تقریباً نصف درجن سے زیادہ رنگین کتابیں بچوں کے لیے بہت ہی سستے داموں شائع کی ہیں خاص طور پر اردو زبان میں 8 عدد جدید سائنسی کامکس۔

2 خلاباز (Astronaut) وہ شخص جس نے خلائی جہاز میں سفر کرنے کی تربیت حاصل کی ہو۔

اس سلسلے میں امریکن سائنسداں لارنس لیور مور نیشنل لیباریٹری، کیلیفورنیا میں ایک تجربہ کے دوران کسی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ پُر امید ہیں کہ اس کا حل جلد ہی نکل آئے گا۔

جناب ایتابھ سنہا نے اپنے ایک مضمون "The fusion energy breakthrough!" جو کہ انگریزی اخبار دی انڈین ایکسپریس، نئی دہلی میں بتاریخ 14 دسمبر 2022 کو شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ ابھی بھی راہ بہت لمبی ہے یعنی کہ نیوکلیر فیوژن طریقہ عمل سے تجارتی سطح پر توانائی تیار کرنے میں بیس یا تیس سال لگ سکتے ہیں۔

فی الحال لیباریٹریوں میں نیوکلیر فیوژن طریقہ عمل کے دوران شدید درجۂ حرارت پیدا کرنے کے دو طریقے استعمال ہو رہے ہیں۔ ایک طریقہ تو لیزر کے ذریعہ ہے۔ دوسرا طریقہ مقناطیسی علاقہ کے ذریعہ ہے جس میں فرانس، چین جاپان، برطانیہ اور ساؤتھ کوریا عمل پیرا ہیں۔

پچھلے سال ماہ دسمبر میں برطانیہ کی جیٹ لیباریٹری جو کہ مقناطیسی علاقہ کا طریقہ استعمال کر رہی ہے، اس نے شدید درجۂ حرارت پیدا کرنے کے اپنے سابقہ ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ اس لیباریٹری میں نیوکلیر فیوژن طریقہ عمل پانچ سیکنڈ تک چلا تھا اور 59 میگا جولس توانائی پیدا ہوئی تھی جو کہ اپنے پچھلے ریکارڈ سے دُگنی تھی۔

اب تک نیوکلیر فیوژن عمل کے تجربات مختلف تجربہ گاہوں میں چند سیکنڈوں تک ہوئے ہیں۔ جو تجربات لیزر بیم کے ذریعے کیے جا رہے ہیں۔ وہ بہت ہی چھوٹے وقفہ کے لیے ہو رہے ہیں۔ زیادہ وقفہ کے لیے شدید درجۂ حرارت کا ٹھہرنا بہت ہی مشکل ہے۔

آئی ٹی ای آر پروجیکٹ کے ہندوستانی سائنسدانوں کی ٹیم کے رہنما ڈاکٹر باندوپادھیائے کے مطابق اس پروجکیٹ کو 3,000 سیکنڈوں کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ اس پروجیکٹ کی پوری طاقت پر جتنی توانائی استعمال کی گئی تھی اس سے پانچ گنا زیادہ پیدا کرنے کی امید کی جا رہی تھی۔ پھر بھی جب اس تجربہ کو 300 سے 500 سیکنڈوں کے لیے استعمال کیا گیا تو یہ 10 گُنا زیادہ توانائی پیدا کر سکا تھا۔

جب آئی ٹی ای آر پروجیکٹ مکمل کام کرے گا تو یہ دنیا میں کسی بھی مشین کے مقابلے میں سب سے بڑی مشین ہوگی یہاں تک کہ سرن میں لارج ہارڈن کولائیڈر یا لگو پروجیکٹ جو کشش والی لہروں کی جانچ کے لیے ہے۔ فی الحال آجکل آئی ٹی ای آر ریکٹر مشین کے پُرزے جوڑنے کے دور میں ہے۔ تقریباً 10 کروڑ پُرزے 7 ممبر ملکوں میں تیار کیے جا رہے ہیں اور ان کی جانچ کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد وہ پُرزے اکٹھے کیے جائیں گے، جوڑے جائیں گے اور کُل میں ضم کیے جائیں گے۔

وہ دن دُور نہیں جب بجلی سستی ہو جائے گی، تمام کام بجلی کے ذریعے ہوں گے اور ماحولیاتی خرابی دُرست ہوگی۔

حوالے

1 US scientists announce fusion energy" "milestone raising clean powe hopes
اخبار دی انڈین ایکسپریس، نئی دہلی بتاریخ 14 دسمبر، 2022۔
2 مضمون ''The fusion energy breakthrough''
مصنف ڈاکٹر ایتابھ سنہا، اخبار دی انڈین ایکسپریس، نئی دہلی، بتاریخ 14 دسمبر، 2022 ص 14۔

■

A. H. Siddiqui
679, Sector-22-B
Gurugram- 122015 (Haryana)
Mob.: 9654949434
Email.: aneessiddiqui2003@gmail.com

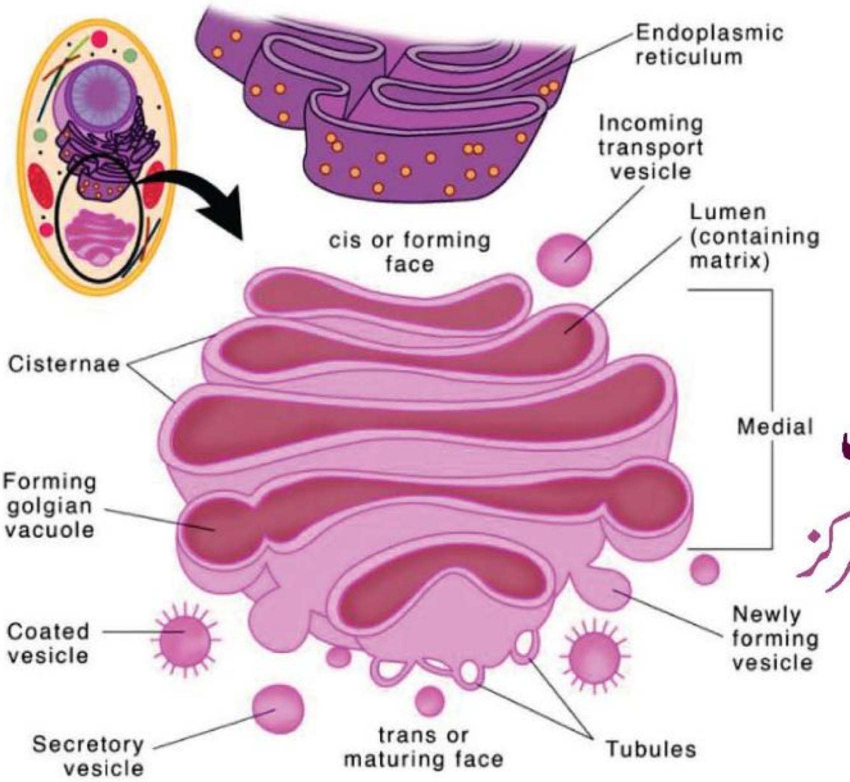

رفیع الدین ناصر

گالجی مرکب

بے شمار سرگرمیوں کا مرکز

پیارے بچو! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کسی بھی جاندار کا خلیہ بے شمار چھوٹے چھوٹے عضوچے (Organales) پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی میں سے میں بھی ایک ہوں۔ میرا مشاہدہ سب سے پہلے جارج (George) نے 1867 میں کیا اور اس کے بعد اٹلی کے مشہور سائنس داں Camilo Golgi نے 1968 میں میری بے شمار سرگرمیوں کی بنیاد پر مجھے ایک آلہ تصور کیا اور میرا نام گالجی مرکب (Golgi Complex) رکھا۔ سرگرمیوں کی بنیاد پر لوگ مجھے گالجی آلہ (Golgi appartus) بھی کہتے ہیں۔ میرا تفصیلی مطالعہ الیکٹرانک خوردبین کے ذریعے 1954 میں دو سائنس داں Dalton اور Felix نے کیا۔

اچھے بچو! اب میں آپ کو بتاتا چلوں کہ میں خلیہ میں کہاں موجود ہوتا ہوں۔ چونکہ خلیہ مائع (Cytoplasm) پھیلا ہوا ہوتا ہے اس لیے اسی میں تمام عضوچے موجود ہوتے ہیں۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں میں تمام کثیر خلوی ذی حیات کے خلیات میں پایا جاتا ہوں۔ یک خلوی ذی حیات جیسے بیکٹیریا، سبز نیلی کائی وغیرہ میں غیر موجود رہتا ہوں۔ کثیر خلوی ذی حیات کے بھی کچھ اہم حصوں جیسے پستانیوں کے سرخ خون کے ذرات (Red blood corpuscles)، جل تھلیے پودوں (Bryophytes) کے منووں میں غیر موجود رہتا ہوں۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں حیوانی خلیوں میں تنہا یا مرکب کی شکل میں موجود رہتا ہوں۔ پودوں کے خلیات میں میں کثیر اکائیوں کی شکل میں موجود ہوتا ہوں جنھیں dictyosomes کہتے ہیں۔ نباتی خلیوں میں میری تعداد مختلف ہوتی ہے۔ سادہ کائی میں جہاں میں واحد ہوتا ہوں وہیں چارا یا کارا (Chara) کے Rhizoidal خلیہ میں میری تعداد 25000 ہوتی ہے۔ عام طور سے ایک نباتی خلیے میں dictyosomes کی تعداد دس سے بیس ہوتی ہے۔ جبکہ حیوانات کے جگر کے خلیے میں گالجی آلہ کی تعداد پچاس اکائیوں پر مشتمل ہوتی ہے جنھیں Golgisomes

کہا جاتا ہے۔ خلیہ میں عام طور سے میں مرکز کے ایک سرے کے اطراف میں دائروی شکل میں پایا جاتا ہوں۔

پیارے بچو! اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں دکھائی کیسا دیتا ہوں، تو چلیے میں اپنی شکل آئینہ میں دیکھ کر آپ کو بتا دوں کہ میں عام طور سے دائروی ہیئت پر مشتمل ہوتا ہوں لیکن میری ساخت مستقل نہیں رہتی ہے۔ خلیہ کی فعلیاتی حالت (Physiological state) کی بنیاد پر بدلتی رہتی ہے۔ ایک مثالی dictyosomes کا قطر 0.5 سے 1.0 pm ہوتا ہے۔ عام طور سے میرا جسم چار اہم حصوں پر مشتمل ہوتا ہے جنھیں سسٹرنے (Cisternae) کروی تھیلیاں (Vesicles)، نالیاں (Tubules) اور خالیے (Vacuoles) کہتے ہیں۔ چلیے اب میں آپ کو بتاتا چلوں کہ یہ حصے کیا کرتے ہیں۔ سسٹرنے چپٹی جھلیوں والی تھیلی نما ساختیں ہوتی ہیں جو کسی قدر مڑی ہوئی اور پھولی ہوئی ہوتے ہیں۔ اِن کی سطح چکنی ہوتی ہے لیکن اِن کی موٹائیاں الگ الگ ہوتی ہیں جو lumen کہلاتی ہیں۔ اِن میں ایک مادہ ہوتا ہے جو قالب (Matrix) کہلاتا ہے۔ میں چونکہ نصف دائروی یا کسی قدر مڑا ہوا ہوتا ہوں اِس لیے میری اوپری سطح محدب (Convex) دکھائی دیتی ہے جبکہ نچلی سطح مقعر (Concave) دکھائی دیتی ہے۔ اوپری سطح کو تشکیلی رخ (Forming face) کہتے ہیں جبکہ نچلی سطح کو پختہ رخ (Maturing face) کہتے ہیں۔ تشکیلی رخ یہ دروں مائع کے جال (Endoplsmic reticulum) سے vesicles کو قبول کرتا ہے جسے وہ مختلف سسٹرنے میں منتقل کرتا ہے جو بعد میں پختہ رخ تک منتقل ہو کر اخراج کا کام کرتی ہیں جس کے ذریعے مختلف حیاتی کیمیات منتقل ہوتے ہیں۔ میرا دوسرا حصہ نالیوں (Tubules) پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک پیچیدہ جال ہے۔ عام طور سے یہ پختہ رخ کے محیطی حصے میں موجود ہوتا ہے۔ ان نالیوں کی ابتدا سسٹرنے دریچوں (Fenestrations) سے ہوتی ہے۔ یہ نالیاں مختلف سسٹرنے کو ایک دوسرے سے جوڑنے کا کام کرتی ہیں۔ میرا تیسرا حصہ تھیلیوں (Vesicles) پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ نالیوں کے سرے پر موجود ہوتے ہیں جو دو طرح کی ہوتی ہیں ایک چکنی اور دوسری دانے دار۔ یہ سرے جھلی میں موجود پروٹین کو بڑھاتے ہیں۔ چکنی Vesicles اخراجی مادے رکھتے ہیں اِس وجہ سے یہ اخراجی Vesicles کہلاتے ہیں۔ اب میں آپ کو اپنے جسم کے آخری حصہ کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اِس حصے کو خالیہ (Vacuole) کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ سسٹرنے کا بڑھوتری والا حصہ ہے جو تبدیل ہو کر خالیہ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہ پختہ رخ کی جانب سے وجود میں آتے ہیں۔ خالیوں میں دانے دار مرکبات موجود ہوتے ہیں۔ کچھ خالیے لائسوزوم (Lysosomes) کی طرح کام کرتے ہیں۔

ننھے منے بچو! ابھی تک آپ نے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ایک چھوٹے سے خلیہ کے بے شمار عضوچے میں سے مجھ جیسے چھوٹے سے عضوچہ کے مقام، ساخت اور حصوں کے بارے میں جانا۔ اب میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ یہ میری چھوٹی سی ساخت جس کو آپ عام خوردبین سے بھی نہیں دیکھ سکتے، کیا اہم افعال انجام دیتی ہیں۔ میرا سب سے پہلا کام مختلف کیمیات کو جس میں بطورِ خاص پروٹین ہوتے ہیں انھیں حاصل کر کے تبدیل شدہ حالت میں دوسرے عضوچوں تک پہنچانا ہے۔ میں جھلوی منتقلی (Membrane transformation) کا کام انجام دیتا ہوں جس کی وجہ سے ایک تہہ یا جھلی دیگر اقسام میں تبدیل ہوتی ہے۔ میں آپ کو بتلا دوں کہ میں پروٹین ٹارگیٹنگ (Protein targetting) کا کام بھی انجام دیتا ہوں۔ چھوٹے دوستو! یہ اصطلاح آپ کے لیے نئی ہوگی اِس

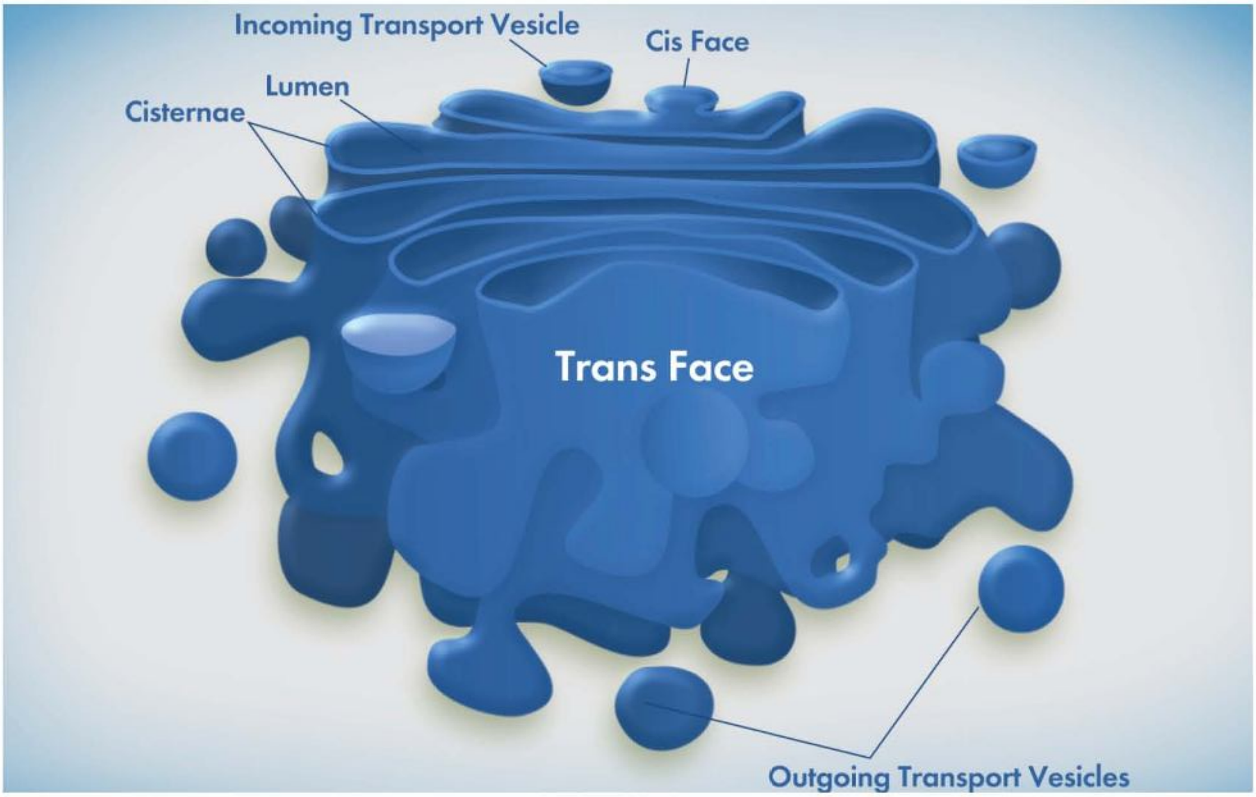

لیے میں اِس کی وضاحت کرتا چلوں کہ اِس میں سب سے پہلے دروں مائع کے جال میں بننے والے پروٹین شکر سے مل کر گلائیکو پروٹین بناتے ہیں۔ پھر یہ گلائیکو پروٹین سسٹرنے کے سرے پر پہنچتے ہیں اور اِن سے مل جاتے ہیں۔ سسٹرنے میں موجود Lumen کے انزائم (Enzyme) اِن پر عمل کرتے ہیں۔ اِن کے عمل سے تبدیل ہونے والے گلائیکو پروٹین سسٹرنے کے پختہ رخ میں آجاتے ہیں۔ اِس عمل کو پروٹین ٹارگیٹنگ کہتے ہیں۔ میں آگے آپ کو بتاتا چلوں کہ نباتات کے خلیوں میں میرا اہم کام خلوی دیوار کے بننے میں مدد کرنا ہے ، اِس عمل میں پالی سکارائیڈس اور گلائیکو پروٹین چھوٹی تھیلیوں کے ذریعے پلاسمامبرین کو جا پہنچتے ہیں جہاں پر بعد میں یہ خلوی دیوار کے حصے بن جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ میں کئی اہم کام انجام دیتا ہوں جس میں چربی کی منتقلی (Fat transport)، ایکروسوم (Acrosome) کی تیاری، چھوٹے پودوں کے جڑ ریشوں کی تیاری اور اسی طرح نئی خلوی دیوار کی تیاری میں اہم کام انجام دیتا ہوں۔

عزیز بچو! قدرت کے اِس خزانے میں میرا چھوٹا سا وجود ایک عام خلیے کو اپنی سرگرمیاں برقرار رکھنے میں مددگار ہوتا ہے۔ اگر خلیہ صحیح طریقے سے کام کرے تو پورا جسم بھی صحیح طریقے سے کام کرتا ہے۔ میرے اِس کام کو باضابطہ بنانے میں دیگر خلوی عضوچے جیسے دروں مائع کا جال، لائسوزوم، رائبوزوم وغیرہ کئی اہم کام انجام دیتے ہیں جن کے بارے میں ہم آئندہ معلومات حاصل کریں گے۔

■

Dr. Rafiuddin Naser
HOD Botany, Maulana Azad College of Arts Science & Commerce
Dr. Rafiq Zakaria campus
Rauza Bagh, Aurangabad - 431001 (MS)
Mobile : 9422211634
Email : rafiuddinnaser@rediffmail.com

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقع کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کر سکیں۔ (ادارہ)

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

—میر تقی میر

کشتیاں سب کی کنارے پہ پہنچ جاتی ہیں
ناخدا جن کا نہیں ان کا خدا ہوتا ہے

—امیر مینائی

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

—میر حسن

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

—منشی امیر اللہ تسلیم

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

—مخدوم محی الدین

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

—قابل اجمیری

وہ وقت کا جہاز تھا کرتا لحاظ کیا
میں دوستوں سے ہاتھ ملانے میں رہ گیا

—حفیظ میرٹھی

وقت رہتا نہیں کہیں ٹک کر
عادت اس کی بھی آدمی سی ہے

—گلزار

کوشش بھی کر امید بھی رکھ راستہ بھی چن
پھر اس کے بعد تھوڑا مقدر تلاش کر

—ندا فاضلی

تم چلو اس کے ساتھ یا نہ چلو
پاؤں رکتے نہیں زمانے کے

—ابوالمجاہد زاہد

عمر بھر ملنے نہیں دیتی ہیں اب تو رنجشیں
وقت ہم سے روٹھ جانے کی ادا تک لے گیا

فصیح اکمل

وقت برباد کرنے والوں کو
وقت برباد کر کے چھوڑے گا

—دواکر راہی

ننھے فنکار

عبدالحسیب، درجہ نہم، مولانا آزاد اردو مادھیمک شالہ، ورودی، ضلع جالنہ، مہاراشٹر

ارجمند بانو عبدالمجید، درجہ دوازدہم
گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

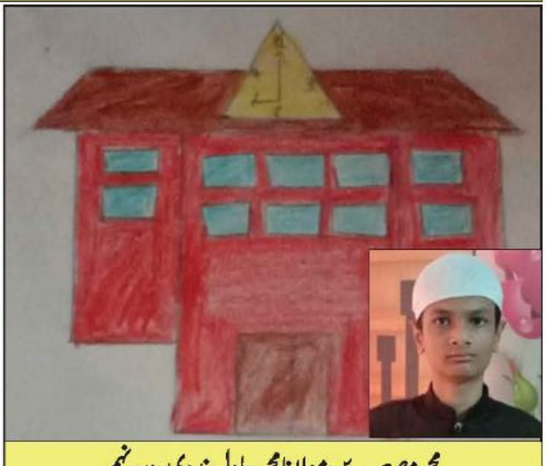

محمد مصعب بن مولانا محمد عادل ندوی، درجہ نہم
اسکول المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

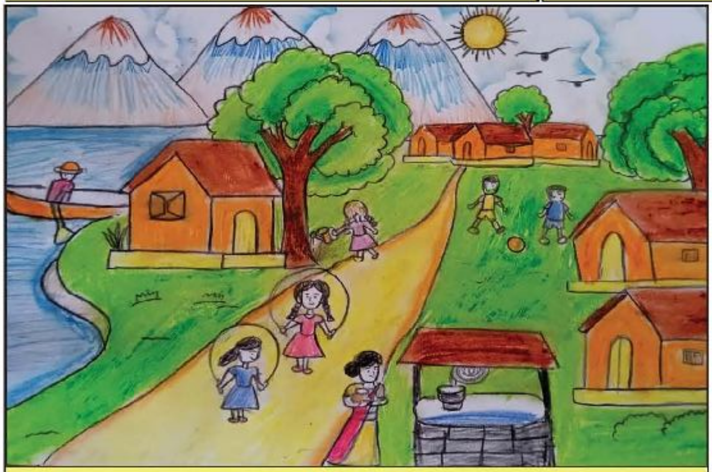

بیگم قمر النسا، درجہ ششم، کاریگر گرلز ہائی اسکول و جونیئر کالج، شولاپور، مہاراشٹر

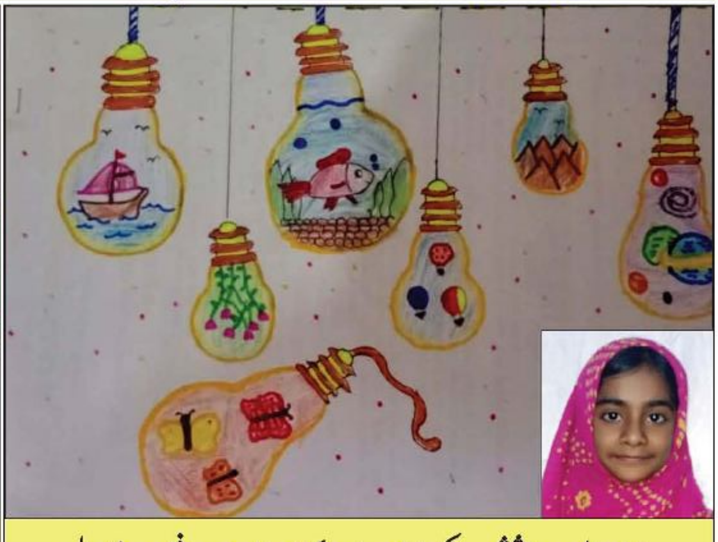

عفیفہ فاطمہ، درجہ ششم، جانکی دیوی، سرُودیہ کنیا ودیالیہ، میووہار فیس 1، نئی دہلی

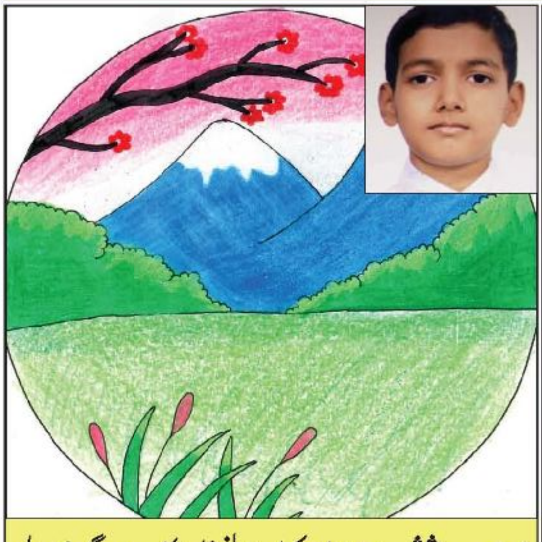

محمد حمزہ، درجہ ششم، دی اسکالر اسکول، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

زوبیہ عرش بنت رئیس احمد، درجہ ہفتم، اسیر کالونی، امراؤتی، مہاراشٹر

رمیشہ ثمین محمد علیم، درجہ ہشتم، نگر پریشد اردو مڈل اسکول، ناندورہ، مہاراشٹر

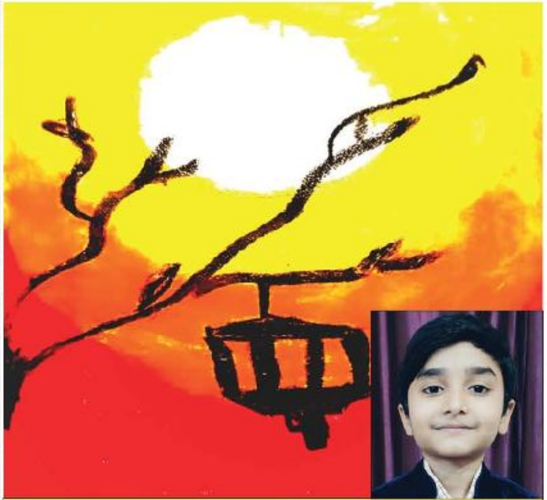

اریب احمد، درجہ سوم، دی اسکالر اسکول، جامعہ نگر، نئی دہلی

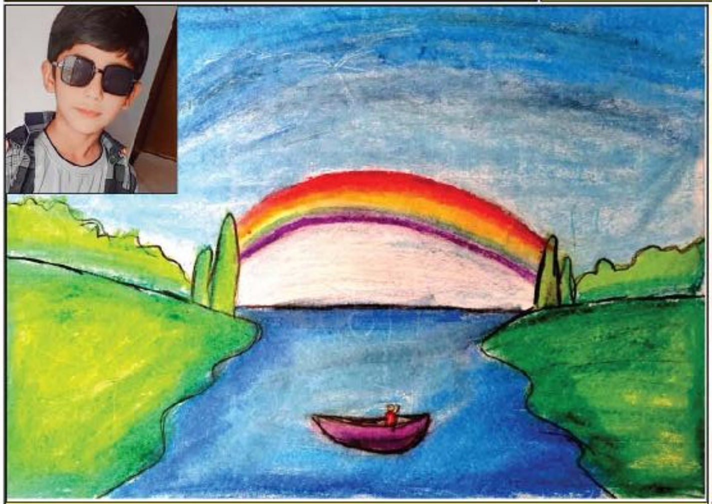

محمد ذہیب رحمٰن، درجہ ششم، ذاکر حسین، چکلی، مہاراشٹر

اقصیٰ تزمین زین العابدین، درجہ: چہارم، ضلع پریشد اردو اسکول، امراؤتی، مہاراشٹر

سعدیہ ظفر، درجہ چہارم، ساؤتھ دہلی ایم سی ڈی پرائمری اسکول
بٹلہ ہاؤس چوک، جامعہ نگر، نئی دہلی

نرگس فاطمہ، درجہ دوم، جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، وارانسی، یوپی

محمد عفان عظمت علی، درجہ دوم، فاروق عزم انٹر کالج، فیروز آباد، یوپی

شاہی عالم، درجہ دوم، دارالہدیٰ اسلامک اکیڈمی، بھیم پور، مغربی بنگال

احمد منظر، درجہ اوّل، سید عابد حسین سینئر سیکنڈری اسکول، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مریم نوشاد، درجہ ششم، دی اسکالر اسکول، جامعہ نگر، نئی دہلی

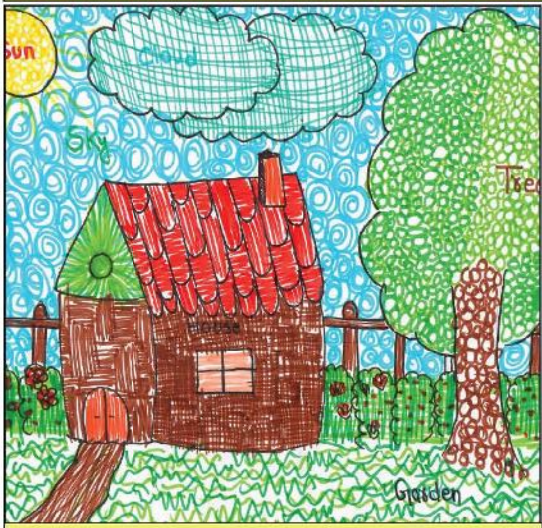

بریرہ مشہود، درجہ اوّل، کیندریہ ودیالیہ، اینڈریوز گنج، نئی دہلی

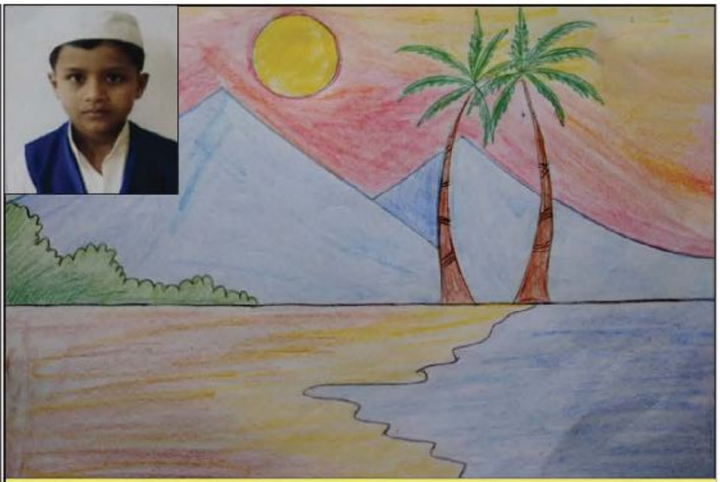

عون محمد، درجہ اول، ماؤنٹ سینا اکیڈمی، گورکھپوری، یوپی

جری زیدی، درجہ ہفتم، بیشنی پور، بلیا، اتر پردیش

نفیسہ بیگم، دارالہدیٰ اسلامک اکیڈمی، بھیم پور، مغربی بنگال

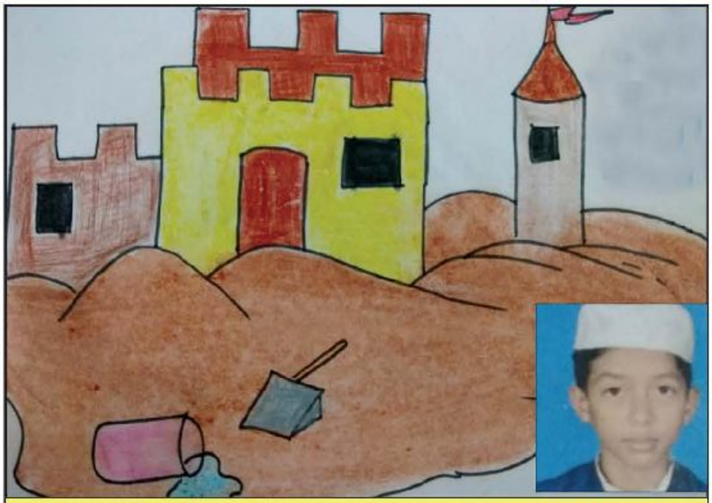

اذہان ذاکر، درجہ اول، ماؤنٹ سینا اکیڈمی، گورکھپور، یوپی

انایا فاطمہ عبدالحسیب، اسکالرس انگلش اسکول، کٹ کٹ گیٹ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

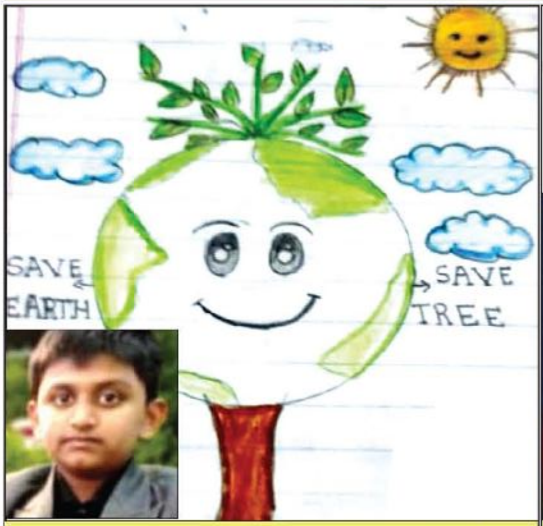

محمد انس علی محمد رحمت علی، زیبا باغ آصف نگر، حیدرآباد، تلنگانہ

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—— ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, अप्रैल 2023, वर्ष 11, अंक 04
BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2023 Vol. 11, Issue: 04
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

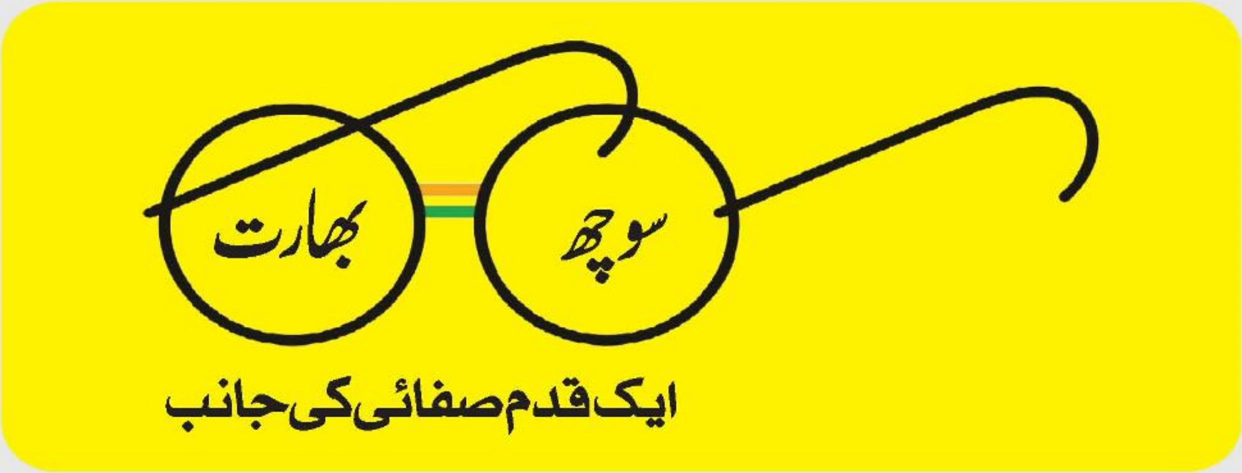

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

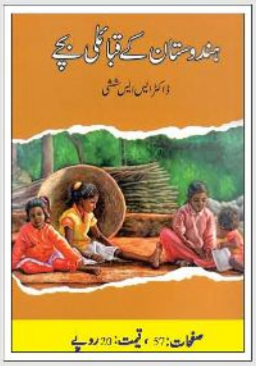

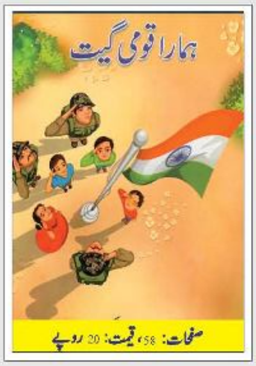

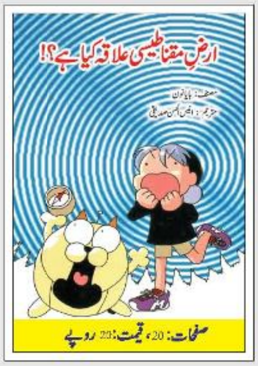

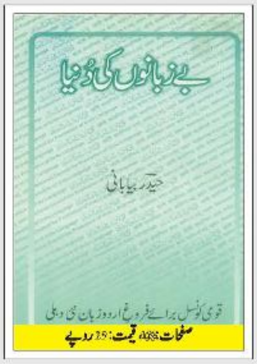

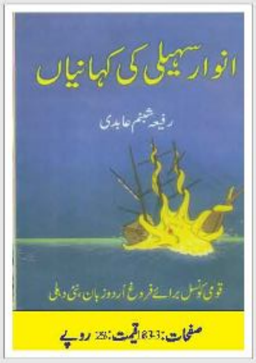

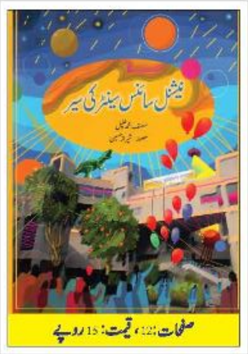

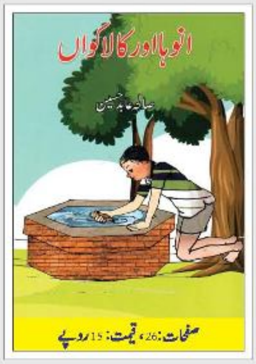

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6